ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

May 2025

مُدیرمَسئول

مولانا محمّد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمّد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۲) ذی قعدہ ۱۴۴۶ھ مطابق مئی ۲۰۲۵ء شمارہ (۱۱)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفر نگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئینہ

صریرِ خامہ	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درسِ قرآن		
تفسیر سورۂ ملک	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)
درسِ حدیث		
دورِ حاضر اور علاماتِ قیامت	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۱۰)
مقالات ومضامین:		
میٹھے بول	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۱۲)
دینِ اسلام کے اساسی...	مولانا عبدالمتین	(۱۴)
کام یابی کی کلید	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	(۱۹)
سنت کی اہمیت اور ہمارا معاشرہ	مولانا عمیر صاحب	(۲۳)
کبھی اے نوجواں مسلم...	عمر فاروق فتحپوری ندوی	(۲۶)
شرم وحیا...انسانیت کا لباس	ڈاکٹر ساجد خاکوانی	(۳۰)
تربیت اولاد کیوں اور کیسے؟	مولانا زبیر احمد صدیقی	(۳۵)
احوالِ کائنات	مولانا ثمیر الدین قاسمی	(۴۰)
فقہ وفتاوی		
میڈیکل انشورنس کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی	(۴۱)
طب وصحت		
قدرت کا عظیم تحفہ: انار	ادارہ	(۴۴)
جامعہ کی سرگرمیاں	ادارہ	(۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

محمد صغیر قاسمی

اسلام امن وامان کا، اور بھائی چارے وآپسی اتحاد واتفاق کا داعی ہے۔اس کی بنیاد عدل وانصاف پر اور مظلوموں کی فریادرسی پر ہے۔اس کا صاف اعلان ہے ''اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى''[المائدہ:۸](اے ایمان والوں! انصاف کرو کہ یہی بات تقوی کے زیادہ قریب ہے)۔یہی نہیں کہ اسلام ہر طرح کی بربریت اور ظلم کے خلاف ہے، بلکہ معاشرے سے فتنہ وفساد، ظلم وجور اور قتل وغارت گری کو ختم کرنے ہی کے لئے آیا ہے۔اور جب بھی کسی معاشرے میں اس کی حاکمیت قائم ہوئی ہے، اس نے عدل وانصاف کے ترازوں کو عملی طور پر بلند کر کے دنیا کو دکھایا بھی ہے۔اس لئے اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہنا یا دہشت گردی کو اس سے جوڑنا خود دہشت گردی ہے۔اسلام کسی کو، کسی کے قتل کی یا معاشرے میں دہشت پھیلانے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا ہے۔اس کا صاف اعلان ہے:

''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا''[المائدہ:۳۲]

(جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلاعوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو)

اسلام ہی وہ مذہب ہے، جو حالت جنگ میں بھی اپنے ماننے والوں کو انسانی حقوق کے تحفظ کا اور رواداری کا پابند بناتا ہے، وہ حالت جنگ میں بھی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مذہبی پیشواؤں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔وہ مظلوموں کا، معصوموں کا، بے بسوں اور کمزوروں کا، مددگار ہے۔بھلا وہ کب اجازت دے سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی پر جا کر حملہ کر دے اور اس کا قتل کر دے۔

۲۲/اپریل ۲۰۲۵ء کو کشمیر کے پہلگام میں ہونے والا دہشت گردانہ حملہ اور ۲۶/سیاحوں کا قتل، یقیناً ایک بربریت تھی، دہشت گردی تھی اور ظلم تھا، جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔اسلام ایسے قتل وفساد کی نہ اجازت دیتا ہے اور نہ ایسی حرکت کرنے والوں کا اسلامی تعلیمات سے کوئی واسطہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قتل کے خلاف مسلمان سراپا احتجاج بنا، مذہبی طبقہ یعنی علماء اور اہل مدارس نے بھی کھلے لفظوں میں اس کی مذمت کی اور صاف طور پر اس حرکت کو اسلام کی تعلیمات کے منافی عمل قرار دیا۔کشمیر کے مسلمانوں نے پورے کشمیر میں اپنے کاروبار کو بند کر کے اس کے خلاف آواز بلند کی اور مجرموں کو سخت سے سخت سزا دینے کی حکومت سے درخواست کی۔

لیکن افسوس کی اس سب کے باوجود میڈیا نے اس دہشت گردی کو مذہب اسلام اور اہل اسلام سے جوڑنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، صبح تا شام ایسی خبریں چلائی گئیں اور مسلمانوں کے خلاف ایسے زہر اگلے گئے کہ **الامان والحفیظ**۔

بار بار تجزیہ نگاروں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف یہ جملے نقل کیے جاتے رہے کہ ''یہ ٹھیک ہے کہ ہر مسلمان دہشت گرد نہیں ہوتا، لیکن ہر دہشت گرد مسلمان ہوتا ہے''۔ گویا دہشت گردانہ واردات انجام دینے والے دہشت گردوں کو، مذہب اسلام ہی ایسی حرکتوں کے کرنے پر ابھارتا ہے اور اس کی تعلیمات سے متأثر ہو کر وہ دہشت گردی کو انجام دیتا ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آئے دن بے شمار ایسے دہشت گردانہ واقعات خبروں کی زینت بنتے رہتے ہیں، جن میں واردات انجام دینے والوں کا نہ تو نام اسلامی ہوتا ہے اور نہ ہی مذہب اسلام سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔

اور پھر یہی میڈیا ایسے دہشت گردوں کے مذہب کی شناخت کر کے، ان وارداتوں کو ان کے مذہب سے نہیں جوڑتی، بلکہ ایسی خبروں پر تبصرہ و تجزیہ تک نہیں کرتی۔ ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں نکسل وادیوں کے حملے آئے دن ہوتے رہتے ہیں، کیا کبھی میڈیا نے ان حملوں کو نکسل وادیوں کے مذہب سے جوڑا، گاندھی جی، اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی کا قتل جن لوگوں نے کیا، کیا اس قتل کو، ان قاتلوں کے مذہب سے جوڑا جاتا ہے۔ محمد اخلاق، حافظ جنید، پہلو خاں کا قتل مذہبی نعرے کے ساتھ ہوا، کیا کسی نے اس کو مذہب سے جوڑا۔

انٹرنیٹ پر موجود معلومات کے مطابق اس وقت جن دہشت گرد تنظیموں پر حکومت ہند نے پابندی لگا رکھی ہے، ان کی تعداد ۶۷ ر ہے۔ ان میں تقریباً دو تہائی تنظیمیں ایسی ہیں، جن کا اسلام سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی میڈیا کو یہاں مذہب نظر نہیں آتا اور جب اسلام نام رکھنے والا کوئی شخص ایسی حرکت انجام دیتا ہے، تو اسے اسلام سے جوڑ دیا جاتا ہے اور ان واقعات کو بھلا کر خاص انداز میں کہہ دیا جاتا ہے کہ ''ہر دہشت گرد مسلمان ہوتا ہے''۔

اصل یہ ہے کہ کسی بھی مذہب میں دہشت گردی کی تعلیم نہیں دی گئی ہے، ہر مذہب امن و شانتی اور بھائی چارے کی تبلیغ کرتا ہے۔ اس لئے ایسی بدبختانہ حرکتوں کو کسی کے مذہب سے جوڑنا یا ایسی حرکتوں کی آڑ میں کسی مذہب کو بدنام کرنا ایک بدبختانہ عمل ہے۔ میڈیا کو ایسی حرکتوں سے بچنا چاہئے۔

میڈیا کا کام ملک میں بھائی چارے کو فروغ دینا اور آپسی اتحاد و اتفاق کی تلقین کرنا ہے، نہ کہ مذہبی منافرت پھیلانا اور جلتے پر تیل کا کام کرنا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ دہشت گردوں کو اور ان کے آقاؤں کو قرار واقعی سزا دے اور میڈیا کو بھی پابند کرے کہ ایسے حادثاتی مواقع پر وہ آپسی یک جہتی اور اتفاق کو مضبوط کرنے کی کوشش کیا کریں، نہ کہ زہر اگلیں، اور مذہبی منافرت پھیلائیں۔

درس قرآن کریم

سورۃ الملک

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ءَأَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يَخۡسِفَ بِكُمُ ٱلۡأَرۡضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمۡ أَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبٗا ۖ فَسَتَعۡلَمُونَ كَيۡفَ نَذِيرِ ۝ وَلَقَدۡ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيرِ ۝

ترجمہ:

کیا تم لوگ اس سے بیخوف ہوگئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم وتصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسادے پھر وہ زمین تھرتھرا (کرالٹ پلٹ ہو) نے لگے۔ یا تم لوگ اس سے بیخوف ہوگئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم وتصرف رکھتا) ہے کہ وہ ایک ہوائے تند بھیج دے سو عنقریب (مرتے ہی) تمکو معلوم ہوجاوے گا کہ میرا ڈرانا (عذاب سے) کیسا (صحیح) تھا۔ اور ان سے پہلے جو لوگ ہوگزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا سو میرا عذاب کیسا (واقع) ہوا۔

تفسیر

"ءَأَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يَخۡسِفَ بِكُمُ ٱلۡأَرۡضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝"

(کیا تم لوگ اس سے بیخوف ہوگئے ہو جو کہ آسمان میں [بھی اپنا حکم وتصرف رکھتا] ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسادے پھر وہ زمین تھرتھرا [کرالٹ پلٹ ہو] نے لگے۔)

اس سے پہلے کی آیات میں پروردگار نے انسانوں کو اپنے احسانات وانعامات کے حوالے سے اپنی ذات اور ان کی بندگی اور احتیاج کی طرف متوجہ فرمایا اور اسی طرح دوبارہ جی اٹھنے پر استدلال کیا۔ اب انسانوں کو راہ راست کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اپنے قہر وانتقام کا حوالہ دے رہا ہے کہ جس پروردگار نے تمھیں ایسی زمین عطا فرمائی ہے کہ وہ تمھارے معمولات اور تگ وتاز کے لیے نہایت پست اور فرمانبردار واقع ہوئی ہے اور اس نے اپنا سر تمھارے سامنے ڈالا ہوا ہے اور تم چاہو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرو لیکن وہ تمھارے لیے غلہ اگانے سے کبھی سرکشی نہیں کرتی۔ ایمان اور کفر دونوں حالتوں میں

تمھارے معمولات میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑتی۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو ذمہ دار بندہ ثابت کرنے کی کوشش کرے، شتر بے مہار بن کر زندگی گزارنے پر اصرار کرتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اس نے انسانوں پر احسانات کیے ہیں اور ربوبیت کے فیضان سے انھیں نوازا ہے تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ انسانوں کے اعمال کی پاداش میں انھیں زمین میں دھنسا دے کہ وہ زمین جوان کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور انھیں ہر سہولت مہیا کرنے کے لیے نہایت فرمانبردار ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک دن وہ بوجھ اٹھانے سے انکار کردے اور انسان اس کے اندر دب کر رہ جائے اور یہ محض مفروضہ نہیں، انسانوں نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ زمین لرزنے لگتی ہے یعنی زلزلہ آتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے بیشمار لوگ لقمۂ اجل ہوجاتے ہیں، سر بفلک عمارتیں زمین بوس ہوجاتی ہیں، زمین میدانِ حشر کا منظر پیش کرنے لگتی ہے اور یہ سب کچھ زمین کی مرضی سے نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین انسانوں کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور اس کی قوت روئیدگی انسانوں کے لیے غذائی ضرورتیں پوری کررہی ہے۔

اور جب اسی مالک کا حکم ہوتا ہے تو یہی فرمانبردار زمین زلزلے کا شکار ہوکر انسانوں کے لیے تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسانوں کے کفر وشرک اور بداعمالیوں کے باعث اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکتا ہے اور کسی بھی قوم کو تنبیہ کرنے کا فیصلہ کرلیا جاتا ہے۔ تو بگڑے ہوئے لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جارہے ہو تو کیا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے ہو کہ وہ جو زمینوں کی پستیوں کا مالک ہے اور آسمانوں کی بلندیوں کا بھی، کسی وقت بھی تم اس کے قہر وانتقام کا شکار ہوجاؤ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آیتِ کریمہ میں ''مَنْ فِی السَّمَآءِ'' کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں رہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ اور کسی مکان میں رہنے کی احتیاج سے پاک ہے۔ آسمان اس کے رہنے کی جگہ نہیں بلکہ اس کی مخلوق ہے۔ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو اسی نے پیدا فرمایا ہے اور ایک وقت ایسا بھی تھا جب نہ زمین تھی نہ آسمان تھا، لیکن پروردگار تو ازل سے ہے۔

اس نے خود اپنے تعارف میں فرمایا: ''فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' (پس تم جدھر بھی رخ کرو اس طرف اللہ کا رخ ہے۔) یہ بات انسانی محاورے اور انسانی عادت کے مطابق ارشاد فرمائی گئی ہے کیونکہ انسان جب بھی اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے، تو آسمان کی طرف دیکھتا ہے، دعا مانگتا ہے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔ جب سب سہارے جواب دے جاتے ہیں تو آسمان کی طرف رخ کرکے اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے، کوئی ناگہانی مصیبت آتی ہے تو کہتا ہے اوپر سے نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں کو کتب آسمانی یا کتب سماوی کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جب وہ خدا کا تصور کرتا ہے تو اس کا ذہن نیچے زمین کی طرف نہیں بلکہ اوپر آسمان کی طرف جاتا ہے۔اسی انسانی فطرت اور شیوۂ زبان کے مطابق اس آیت کریمہ میں ان الفاظ کو استعمال فرمایا گیا ہے۔(روح القرآن)

صاحب تفسیر حقانی نے اس غلط فہمی کا ازالہ ان الفاظ میں کیا ہے: اللہ تعالیٰ مکان میں ہونے سے پاک ہے۔ہاں احادیث صحیحہ میں جو خدا تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد جہت علو ہے۔اور آسمان مظہر تجلیات بارگاہ قدس ہیں۔اس لیے ناواقفوں کو اس کا پتا بتانا مکانیت ثابت نہیں کرتا اور آیت میں ''مَنْ فِی السَّمَآءِ'' سے بالخصوص خدا ئے پاک نہیں بلکہ اس کے کارکن ملائکہ مراد ہیں۔کس لیے کہ ہر بلا اور نعمت عالم بالا سے آتی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب کے جاہل اس بات کے قائل تھے کہ خدا پاک آسمان پر ہے۔ان کے خیال کے موافق ان کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آسمان والے سے نڈر نہ ہو جاؤ۔اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس کی آسمان پر حکومت ہے اس سے نڈر نہ ہو جاؤ۔حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتب الہامیہ کے محاورہ میں خدا پاک کو آسمانوں سے جہت فوقانی اور مظہر تجلیات کے لحاظ سے منسوب کرتے آئے ہیں۔(حقانی)

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ لکھتے ہیں کہ: آیت کریمہ ''مَنْ فِی السَّمَآءِ'' سے یہ مراد تو ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ آسمان پر کہیں بیٹھا ہوا ہے: ''وھذا لایۃ لایمکن اجراؤھا علی ظاھرھا باتفاق المسلمین'' (کبیر) مراد وہ ذات اعظم ہے جس کا حکم وتصرف آسمان پر چل رہا ہے۔''تقدیر الایۃ من فی السماء سلطانہ وملکہ قدرتہ والغرض من ذکر السمآء تفخیم سلطان اللہ تعظیم قدرتہ'' (کبیر) ای: من ملکوتہ فی السمآء لانھا مسکن ملائکتہ ومنھا تنزل قضایاہ وکتبہ واوامرہٗ ونواھیہ (مدارک) بعض نے (آیت) ''مَنْ فِی السَّمَآءِ'' سے مراد آسمانی ملائکہ عذاب سے لی ہے۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (آیت) میں ''السَّمَآء'' کا لفظ محض جہت علو اور غایت شرف کے اظہار کے لئے ہو۔(ماجدی)

''أَمْ أَمِنتُمْ مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ط...''

(یا تم لوگ اس سے بیخوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں [بھی اپنا حکم وتصرف رکھتا] ہے کہ وہ ایک ہوائے تند بھیج دے۔)

گزشتہ آیت کریمہ میں زمین میں دھنسانے کا ذکر تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمین پر تم رہتے ہو اور وہ تمھارا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ یہی زمین اور تمھارے پاؤں کے نیچے کی مٹی تمھارے لیے عذاب کا عنوان بن جائے۔اب پیش نظر آیت کریمہ میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح پاؤں کے نیچے سے عذاب آ سکتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمھارے سر کے اوپر سے عذاب آ جائے۔یعنی وہ تم پر ایک ایسی آندھی بھیجے اور ہواؤں کے ایسے جھکڑ چلائے جو تم پر کنکر اور پتھر برسائیں۔

''حَاصِبٌ'' کنکر پتھر برسا دینے والی طوفانی ہوا کو کہتے ہیں۔قوم لوط پر عذاب اسی قسم کا بھیجا گیا تھا جس سے ان کی بستیاں تباہ کردی گئیں۔اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کس قوم پر اس طرح کا عذاب آیا۔مقصد کہنے کا یہ ہے کہ تم جو زمین پر اطمینان سے شب وروز گزار رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہو تو یہ صرف اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کا موقع دے رکھا ہے۔لیکن تمھیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ تم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی گرفت میں ہو۔تمھاری بقاء اور تمھاری سلامتی صرف اس کے فضل کا نتیجہ ہے۔وہ جب چاہے تمھیں عذاب کا نشانہ بنا سکتا ہے۔اس کے ایک اشارے پر زمین تمھارے لیے قبر کا گڑھا بن سکتی ہے اور ہوا کا طوفان تمھاری بستیوں کو غارت کرسکتا ہے۔آیت کے آخر میں فرمایا کہ:

''فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ۝''

(سو عنقریب [مرتے ہی] تمکو معلوم ہوجاوے گا کہ میرا ڈرانا [عذاب سے] کیسا [صحیح] تھا۔)

''نَذِيرِ'' یوں تو اسم صفت ہے لیکن مصدر کے معنی میں بھی اس کا استعمال معروف ہے۔اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ آج تو تمھیں میرا انذار مذاق معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہ سامنے آجائے گا تو تب تمھیں اندازہ ہوگا کہ جس چیز کا تم مذاق اڑا رہے تھے وہ کتنی ہولناک چیز ہے۔

اور اگر ''نَذِيرِ'' کو اس کے اصلی معنی میں رکھا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ''اے مکے کے لوگو! آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر بن کے آئے ہیں آج تم ان کا مذاق اڑاتے اور منہ چڑاتے ہو، جب وہ تمھیں انذار کرتے ہیں یعنی آنے والے عذاب سے تمھیں ڈراتے ہیں تو تم اسے ایک افسانہ سمجھتے ہو، لیکن اگر تم نے اپنا رویہ نہ بدلا اور تمھارے انکار اور تکذیب کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا تو تب تمھیں اندازہ ہوگا کہ وہ نذیر کیسا تھا۔یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کس طرح دکھ اٹھا کر تمھاری بدزبانیوں کو برداشت کرکے اور خون جگر پی پی کر تمھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا، لیکن تم نے ایک بات بھی مان کر نہ دی۔عذاب آنے پر تمھیں معلوم ہوگا کہ اس نذیر نے تمھارے ساتھ کیسی خیر خواہی اور غمخواری کی تھی اور تم نے کس قدر احسان ناشاسی کا ثبوت دیا تھا۔(روح القرآن)

''وَلَقَدْ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝''

(اور ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا سو میرا عذاب کیسا [واقع] ہوا۔)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تبلیغ ودعوت کی صداقت پر سب سے بڑی دلیل تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بلند کردار تھا اور قریش کی بے پناہ تکلیفوں کے مقابلے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ناقابلِ شکست استقامت تھی۔لیکن جب کفار قریش نے اتنے محکم دلائل کی موجودگی میں ان حقائق کو قبول کرنے سے انکار کردیا جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے سامنے پیش فرماتے تھے، تو اب ان کے سامنے تاریخ کی مُسلمہ حقیقت پیش کی

جارہی ہے جس سے انکار کرنا شاید قریش کے لیے ممکن نہ ہو کہ تمھیں اس بات کا یقین نہیں آرہا کہ تمھاری تکذیب کے نتیجے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی آسکتا ہے۔

تو پھر تاریخ کے آئینے میں جھانک کر دیکھو، کہ تم سے پہلے جو قومیں عذاب کا شکار ہوئی ہیں اور اپنے تجارتی اسفار میں تم ان کے کھنڈرات کے قریب سے گزرتے بھی ہو، تاریخ سے پوچھو کہ یہ قومیں عذاب کا نشانہ کیوں بنیں۔ ان کے تباہ شدہ کھنڈرات کا ایک ایک ذرہ گواہی دے رہا ہے کہ تکذیب کرنے والی قومیں عذاب کا شکار ہوتی رہی ہیں اور ان کا ایک ایک پتھر ان کی بدنصیبی کی داستان بیان کرتا ہے۔ تم نے اگر اپنا رویہ نہ بدلا تو کل کو یہ آبادیاں تمھاری تاریخ کا ایک باب بن جائیں گی جو دوسروں کے لیے عبرت کا سامان ہوگا۔

اس لیے تاریخ سے سبق سیکھو، یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ جب تک آدمی خود کسی افتاد میں مبتلا نہ ہو، اس وقت تک وہ سبق سیکھنے سے انکار کرتا رہے۔ نکیر کا معنی جس طرح انکار ہے اسی طرح گرفت اور پھٹکار بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انکار اس کا لفظی معنی ہے اور گرفت اور پھٹکار اس کا نتیجہ ہے۔ کہنا یہ ہے کہ ان معذب قوموں کی تاریخ دیکھو اور ان کے کھنڈرات کا جائزہ لو تو تب تمھیں اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی تکذیب، اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انکار کس نتیجے کا حامل ہوتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے تو اس کی گرفت کتنی شدید ہوتی ہے۔ (روح القرآن)

***

درس حدیث

دورِ حاضر اور علاماتِ قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كَيْفَ بِكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ، إِذَا طَغَى نِسَاؤُكُمْ، وَفَسَقَ فِتْيَانُكُمْ؟قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ هَذَا لَكَائِنٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَأَشَدُّ مِنْهُ. كَيْفَ بِكُمْ إِذَا تَرَكْتُمُ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ؟قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، إِنَّ هَذَا لَكَائِنٌ؟قَالَ: نَعَمْ، وَأَشَدُّ مِنْهُ. كَيْفَ بِكُمْ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمُنْكَرَ مَعْرُوفًا، وَالْمَعْرُوفَ مُنْكَرًا؟(ابو یعلیٰ: 6420، الطبرانی فی المعجم الأوسط: 9325)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تمہاری عورتیں سرکشی کریں گی اور تمہارے نوجوان بدکاری میں مبتلا ہوں گے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا واقعی ایسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ پھر فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دو گے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، بلکہ اس سے بھی شدید تر ہوگا۔ پھر فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب تم برائی کو نیکی سمجھو گے اور نیکی کو برائی؟)

تشریح: حدیث شریف کے ایک ایک لفظ کو پڑھیں اور اپنے خاندان، معاشرے اور عام انسانوں کے احوال کا جائزہ لیں، اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت وصداقت کی سچے دل کے ساتھ گواہی دیں کہ چودہ سو سال پہلے آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا آج وہ حرف بحرف صادق ہے اور پورا انسانی معاشرہ ان برائیوں میں مبتلا ہے۔

''عورتیں سرکشی کریں گی'' پہلی بات جو اس حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عورتیں سرکش ہوجائیں گی: یعنی اپنے ولیوں، ذمہ داروں اور شوہروں، کی اطاعت نہیں کریں گی، بلکہ ان کی طبیعت میں نافرمانی، سرکشی اور من مانی آجائے گی اور وہ اپنے ولیوں کے مشوروں کے بغیر فیصلے کرنے لگیں گی۔ آج آپ دیکھ لیں عموماً عورتوں کا کیا حال ہوگیا ہے، نہ اپنے والدین کی فرمان برادری ہے اور نہ ہی شوہروں کی۔ آئے دن کتنے واقعات آپ، آس پاس کے سنتے ہیں کہ لڑکی نے، باپ کے گھر سے بھاگ کر، کسی لڑکے سے نکاح کرلیا ہے، بلکہ واقعات تو یہ بھی آئے دن ہورہے ہیں کہ لڑکی نے بھاگ کر کسی غیر مسلم سے لو میرج کرلیا اور باپ روتا رہا۔

رہا معاملہ شوہروں کا، تو اب اکثر گھروں میں حاکم عورتیں ہیں، مرد تو بیچارہ ہوکر رہ گیا ہے، بلکہ اب تو بہت سے گھروں کا حال یہ ہوگیا ہے کہ عورتیں شوہروں کے ساتھ مار پیٹ بھی کررہی ہیں اور شوہر خاموشی کے ساتھ اس پٹائی کو اور بیوی کی طرف سے ہونے والے دیگر مظالم کو برداشت کرنے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ حکومتوں نے ایسے قوانین بنا رکھیں ہیں

کہ پولیس محکمے اور عدالتوں میں عورتوں ہی کی سنی جاتی ہے، مردوں کی پریشانیوں کو کوئی سننے والا ہے ہی نہیں۔

اور جب گھر میں مرد کی، مردانہ حیثیت ختم ہوگئی اور عورتوں نے من مانی زندگی گزارنی شروع کردی تو اب معاشرے میں اس کے اثرات بھی آپ کے سامنے ہیں کہ زنا کاری، بے حیائی اور آوارگی عام ہوگئی ہے اور معاشرتی بندھن ختم ہوگئے ہیں۔

''نوجوان بدکاری میں مبتلا ہوں گے'' جب عورتیں بلا روک ٹوک آزادانہ طور پر گھروں سے باہر نکلیں گی، بازاروں میں گھومیں گیں، موبائل وغیرہ کے ذریعہ غیر محارم سے رابطے رکھیں گی، تو آوارہ مردوں اور نوجوانوں سے اختلاط یقینی بات ہے۔ اور غیر محارم سے اختلاط، بدکاری و زنا ہی کی دعوت دیتا ہے۔ اس لئے اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ معاشرے کے نوجوان زنا کاری میں مبتلا ہوں گے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج نکاح مشکل ہوگیا ہے اور زنا آسان۔ اور نسل نو بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کے کلچر سے اس قدر متأثر ہے کہ اس کے ذہنوں سے بے پردگی، بے حیائی اور زنا کاری وغیرہ کی برائی ہی ختم ہوگئی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ رضامندی کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعلق، کسی سے رکھنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ العیاذ باللہ

''جب تم نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دو گے'' تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ ہر شخص اپنے حال میں مست رہے گا، کسی کو کسی سے کوئی مطلب نہیں رہے گا، کوئی نیکی کے کام کرتا ہے کرے اور کوئی برائی کرتا ہے کرے، روک ٹوک، اچھی باتوں کے کرنے کا حکم اور بری باتوں سے رُکنے کی تاکید، معاشرے سے ختم ہوجائے گی۔

اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ ہر شخص میں آزادی اور من مانی کی فطرت غالب آجائے گی اور روک ٹوک و نصیحت کو لوگ ناپسند کرنے لگیں گے، اس لئے نیک لوگ بھی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیں گے۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ معاشرے میں برائی اس قدر پھیل جائے گی کہ لوگوں کے دلوں سے برائی کی قباحت ہی ختم ہوجائے گی، اور لوگ کسی کو، کوئی برائی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو طبیعت پر وہ گراں نہیں ہوگی کہ اس کو اس برائی سے روکیں، بلکہ اسے معاشرے کا حصہ سمجھتے ہوئے گوارا کرلیں گے، اور معاشرے میں ایسا کوئی شخص نہیں ہوگا جو کھلے عام اس پر نکیر کرے اور برائی کرنے والے کو برا کام کرنے سے روکے اور برائی کی قباحت بیان کرے۔

اور پھر یہی برائیوں کا عادی معاشرہ جب اگلے دور میں داخل ہوگا تو نیکی کا تصور ہی ختم ہو چکا ہوگا اور اب برائی کو برائی نہیں بلکہ اچھا کام سمجھا جائے گا اور شریعت کے احکامات وغیرہ پر عمل کو برا سمجھا جائے گا۔ اسی بات کو حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ پھر ایک دور ایسا آئے گا کہ ''تم برائی کو نیکی سمجھو گے اور نیکی کو برائی''۔

آج ہم جس معاشرے میں ہیں، اس کے احوال پر نظر ڈالیں تو حرف بحرف حدیث کی بات صادق معلوم ہوگیا۔ احکامات شریعت پر عمل کرنے والوں اور تقوی کی زندگی اختیار کرنے والوں کی معاشرے میں کیا عزت ہے؟ یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کو دقیانوس اور زمانے سے کٹا ہوا شخص کہا جاتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی نیک وصالح شخص اپنے گھر میں شرعی پردے کا نظام بنائے اور اعزاء واقرباء اور پڑوسی اسے طعن وتشنیع کا شکار اور پرانی سوچ والا نہ بتائیں۔ گویا نیکی بری وناپسندیدہ بات ہوگئی ہے۔ (بقیہ: صفحہ: ۹ پر)

میٹھے بول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اچھے اخلاق اور میٹھے بول ایسی عمدہ صفات ہیں کہ اگر انسان اس صفت سے متصف ہوتو اس کے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہوجاتے ہیں، اس کے برخلاف اگر وہ بدخلقی اختیار کرے اور سخت کلامی کو اپنا شیوہ بنائے تو بنتے کام بھی بگڑ جاتے ہیں۔ خوش کلامی اور شیریں بیانی کی وجہ سے جہاں انسان آخرت میں زبان کو بے جا استعمال کرنے کی جواب دہی سے محفوظ رہے گا، وہیں دنیوی اعتبار سے بھی شیریں گفتار، نرم مزاج اور خوش کلام آدمی بہت فائدہ میں رہتا ہے، اسے عوام میں مقبولیت اور پذیرائی حاصل رہتی ہے، لوگ اس سے محبت کا معاملہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو غنیمت تصور کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان کو سوچ سمجھ کر درست استعمال کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ اور بدزبانی اور بے مقصد گفتگوں سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد مبارک ہے:

"مَنْ کَانَ یُومِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَومِ الاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْراً اَوْ لِیَصْمُتْ" (البخاری)

(جس شخص کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو، اسے چاہئے کہ بھلی بات کرے یا خاموش رہے۔)

یعنی مومن مخلص کا کام یہ ہے کہ بولنا ہے تو اچھی اور بھلی بات ہی بولے، ورنہ اس سے اچھا ہے کہ خاموش رہے۔

اس بابت چند ایک مزید روایتیں ملاحظہ ہوں:

حضرت اسود بن اصرم المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اَوصِنِی" (مجھے کچھ نصیحت فرمائیے) آپ نے ارشاد فرمایا:

"هل تملک لسانک؟قلت ما املک اذا لم املک لسانی؟قال فهل تملک یدک؟قلت فما املک اذا لم املک یدی؟قال فلا تقل بلسانک الا معروفاً و لا تبسط یدک الا الی خیر" (الطبرانی)

(کیا تو اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا اگر اپنی زبان پر بھی قابو نہیں رکھوں گا تو پھر کس چیز پر رکھوں گا؟ فرمایا کیا تو اپنے ہاتھ پر قابو رکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا اگر اپنے ہاتھ پر قابو نہیں رکھتا تو پھر کس پر رکھوں گا؟ فرمایا اپنی زبان سے بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو اور اپنے ہاتھ کو نہ پھیلا مگر صرف بھلائی کی طرف۔)

امام طبرانی ہی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انک لن تزال سالما ما سکتَّ فاذا تکلّمت کُتب لک او علیک۔"

(تو جب تک خاموش رہے گا سالم ومحفوظ رہے گا اور جب بولے گا تو یا تیرے لیے نیکی لکھی جائے گی یا تجھ پر گناہ۔)

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو استقامت لسان کو اصل ایمان قرار دیا گیا ہے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا یستقم ایمان عبد حتیٰ یستقیم قلبه و لا یستقیم قلبه حتی یستقیم لسانه۔"

کسی بندے کا ایمان اس وقت تک مستقیم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل مستقیم نہ ہوجائے اور دل اس وقت تک مستقیم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی زبان مستقیم نہ ہو۔

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"ان الرجل لیتکلم بالکلمة من رضوان الله لا یلقیٰ لها بالاً یرفعه الله بها درجات و ان العبد لیتکلم بالکمة من سخط الله لا یلقیٰ بها بالاً یهوی بها فی جهنم۔"

(کبھی آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی کوئی ایسی بات کر لیتا ہے جس کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس شخص کے درجات بلند کر دیتے ہیں اور کبھی اللہ کے غضب وغصہ کی کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی وہ کوئی پرواہ نہیں کرتا لیکن اسی کے سبب سے وہ جہنم کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔)

ان روایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کا کلام کس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ بعض اوقات ایک کلمہ اسے جنت میں لے جاتا ہے اور بعض اوقات ایک کلمہ جس کی اسے پرواہ تک نہیں ہوتی اسے جہنم کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔

اس لئے بہت زیادہ اور بے مقصد گفتگو سے بچنا چاہئے۔ زیادہ بک بک کرنے والے کا دل سخت ہوجاتا ہے، لوگوں کے دلوں سے اس کا وقار ختم ہوجاتا ہے اور اس کی باتوں کا اعتبار جاتا رہتا ہے، نیز وہ گناہوں سے بھی نہیں بچ پاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لاتکثروا الکلام بغیر ذکر الله فان کثرة الکلام بغیر ذکر الله قسوة للقلب و انّ ابعدالناس من الله القلب القاسی۔"

(ذکر اللہ کے سوا زیادہ باتیں مت کیا کرو، کیونکہ بہت باتیں کرنا دل کی قساوت وسختی کا موجب ہے اور اللہ کی رحمت سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہیں جو قاسی القلب (سنگ دل) ہیں۔)

رب کریم ہم سب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

دینِ اسلام کے اساسی وآفاقی تصورات

مولانا عبدالمتین

معاصر مغالطوں میں سے ایک بہت ہی بڑا مغالطہ یہ ہے کہ دینِ اسلام کو چند رسوم کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ دینِ اسلام چند رسمی احکامات کا نام نہیں، بلکہ دراصل یہ تو ایک نظامِ حیات ہے جو کہ انسانی زندگی کے سارے کے سارے گوشوں کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔ دین کے ساتھ اس طرح کی نسبت کا فروغ بلا وجہ پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس روش کے پس پردہ ایک سیاہ تاریخ ہے، جسے ہم تحریکِ تنویر کے نام سے جانتے ہیں، یہ تحریک اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی کہ کس طرح دین کو مذہب تک محدود کر دیں، کس طرح اسے ایک وہم وخیال تصور کیا جا سکے، کس طرح خطۂ ارض پر الٰہی اختیارات کی بجائے انسانی اختیارات کا بول بالا کیا جا سکے، کس طرح وحی الٰہی سے چھٹکارا پایا جائے، کس طرح عقل انسانی کو ماخذ علم سمجھا جائے!۔ الغرض اس تحریک نے ہر وہ طریقہ اپنایا جس کے تحت بندوں کا رشتہ خدا سے کٹ کر رہ گیا اور ''عبداللہ''، ''عبدالدرہم والدینار'' بن گیا۔

مذکورہ تمام مقاصد کا حصول ہی اس تحریک کا منشور تھا، جس میں کامیابی کا نتیجہ آج ہمیں مذہب بیزار اور خدا بیزار انسانوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے، جن کے مطابق اس دنیا کا کوئی ایک معمولی مسئلہ بھی مذہب حل کرنے کے قابل نہیں ہے، بلکہ ان کے مطابق ہم نے ایسے علوم تشکیل دیئے ہیں جو بغیر کسی آسمانی ہدایت کے ہماری ہر اُلجھن کو سلجھن میں بدل سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص اپنے نجی معاملہ کی حد تک کوئی مذہبی معاملہ کرتا ہے تو ہم اُسے آزادیِ اظہارِ رائے کا حق دیتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں، کیوں کہ دراصل ہمارے نزدیک مذہب فقط ایک ذاتی معاملہ ہے، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کے ذاتی معاملہ تک محدود ہونے کی صورت میں اس کی انسانی زندگی میں کس قدر اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا ایسے کسی شخص کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عائلی مسائل کو اپنے مذہب کی روشنی میں حل کر سکے؟ یا یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ خود پر ڈھائے جانے والے مظالم کا بدلہ اپنی مذہبی تشریحات کے مطابق لے لے؟ یا یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی مالی معاملات میں سود کی گردش سے دور رہ کر ملکی اداروں تک رسائی حاصل کر سکے؟ اگر نہیں تو کس بات کو نجی کہہ کر اہمیت دی جا رہی ہے؟ کیا ایک ایسا نجی معاملہ قابل اعتناء رہ سکے گا جو اس کے بنیادی حقوق ہی چھین لے؟

آزادیِ اظہارِ رائے کا نام تو لے لیا گیا، لیکن یہ آزادی فقط اس فلسفۂ حیات کے حامل لوگوں کے لیے ہے جو تحریکِ تنویر سے نکلنے والی شعاعوں کو عقیدہ کی طرح مان لیں اور جان لیں کہ جو کچھ بھی کرنا ہے، اپنی عقل وہوس کی روشنی میں ہی کرنا ہے۔ یہ سب کیا دھرا دراصل انسان کو ایسے ضابطۂ حیات کی طرف دعوت دیتا ہے جہاں انسان کا رشتہ خالق سے توڑ کر

مخلوق سے جوڑا گیا ہے، جس میں خودغرضی اور خودسری کی حدوں کو پار کیا جاتا ہے، جس میں مدِّنظر فقط مادّہ ہی رہتا ہے، جس میں روحانیت کو نفسیاتی مسئلہ اور وحیِ الٰہی کو مرگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دین اسلام جو کہ درحقیقت آسمانی ہدایت اور خداوندِ عالی کے فرامین کا مجموعہ ہے، جسے ہم شریعت کا نام دیتے ہیں، مذکورہ تمام اُمور کے برعکس ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام کا مکمل ضابطۂ حیات ہونا کوئی جدید اصطلاح نہیں ہے، (جیسا کہ آج کل بہت سوں کو یہ گمان ہو رہا ہے) نہ ہی یہ سب تحریکِ تنویر کی طرح ردِّعمل کا سا معاملہ ہے، بلکہ یہ تو خالق کی بسائی ہوئی دنیا میں اسی کے احکامات کے مطابق زندگی کا گزارنا ہے اور یہ نظامِ حیات اتنا ہی قدیم ہے، جتنا کہ یہ عالم جن وانس۔

دراصل اسلام اپنے ماننے والوں سے بغیر کسی قطع وبرید کے مکمل شمولیت کا تقاضا کرتا ہے، اور یہ تقاضا کرنا اس امر کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھی ایسا بامعنیٰ پہلو نہیں جس کے متعلق قرآن وحدیث میں اصولی طور پر اور فقہاء کی آراء میں جزوی طور پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہو۔ اسی ضابطہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اس انداز سے بیان فرماتے ہیں: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً۔'' (البقرۃ:۲۰۸) ''اے ایمان والو! دین میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ''

آیتِ مبارکہ کے متعلق علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''**يقول تعالى آمرًا عبادَه المؤمنين به المصدِّقين برسوله: أنْ يأخذوا بجميع عُرَى الإسلام وشرائعه، والعمل بجميع أوامره، وترك جميع زواجره ما استطاعوا من ذٰلك۔**'' (تفسیر ابن کثیر، البقرۃ:۲۰۸) ''اللہ پاک اپنے ان بندوں کو حکم کرتا ہے جو کہ اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے تمام اُصول اور قوانین کو لیا کریں، اور اس کے تمام احکامات پر عمل کریں اور حتیٰ الامکان اسلام کے بتائے ہوئے تمام مناہی سے گریز کریں۔''

اس آیتِ مبارکہ کے علاوہ یہ آیت بھی دین کی کاملیت اور قطعیت پر واضح دلیل ہے: ''**الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔**'' (المائدہ:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری فرما دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام پر راضی ہوا۔''

دین کا یہی رخ سامنے رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''**كذٰلك أتى الله بشريعة هي أكمل الشرائع متضمنة لمصالح يعجز عن مراعاة مثلها البشر۔**'' (مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ، ص:۳۲، قدیمی کتب خانہ) ''ٹھیک اسی طرح اللہ پاک کی جانب سے ایک ایسی شریعت عطا ہوئی جو کہ کامل ترین ہے اور ایسی مصلحتوں پر مشتمل ہے کہ جن کی رعایت کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔''

فقہ اسلام کی معروف کتاب ہدایہ کی ترتیبِ وضع پر ایک نظر کی جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ صاحبِ کتاب نے اپنی کتاب تین چوتھائی حصہ کو معاملات سے متعلق موضوعات کے لیے مختص فرما دیا ہے، یہ سعی اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ دینِ اسلام کی جامعیت کس قدر عمیق اور گہری ہے، اسلام ایک دستورِ حیات کی حیثیت سے ہمارے لیے ایسی ترتیب

پیش کرتا ہے، جن کی رعایت پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی کے احکامات کو سمجھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ دین کی شعبہ جاتی تقسیم کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اسلامی تعلیمات مضامین کے اعتبار سے پانچ حصوں میں منقسم ہیں: ۱:.....عقائد وتصدیقات، ۲:.....اعمال وعبادات، ۳:..... معاملات وسیاسیات، ۴:.....آداب ومعاشرت، ۵:.....سلوک واحسان۔'' (مقدمہ تعلیم الدین از تھانویؒ، دارالاشاعت)

شریعتِ اسلامی کی پوری عمارت ایمانیات پر منحصر ہے۔ اور ایمانیات کی حیثیت اس ستون کی سی ہے، جس کے بغیر عمارت کی بناء تو دور اس کا تصور بھی محال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام میں داخل اور خارج ہونے کا معیار بھی ایمانیات ہی کے شعبہ سے وابستہ ہے۔ ایمانیات کے اساسی شعبہ جات کو ''حدیثِ جبرئیل'' میں بڑی ہی خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

''كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ۔''

اسی باب کی دوسری حدیث میں ہے:

''وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان الایمان والاسلام والاحسان)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لوگوں میں ظاہر ہو کر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اللہ سے ملاقات ہونے پر اور اس کے رسولوں پر اور اس بات پر ایمان لے آئے کہ (مرنے کے بعد) تمہیں دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ اور فرمایا: اس شخص نے کہ (اے محمد!) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو تو۔''

حدیث مبارکہ میں ایمانیات کے ان شعبوں کا ذکر آ گیا جو کہ اساسیاتِ ایمان ہیں: ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، ایمان بالآخرۃ۔

ایمانیات کا اوّلین مقصد خالق سے اپنا ناطہ مضبوط کرنا ہے اور اس مضبوطی کا سب سے مؤثر ترین ذریعہ خالق کے آگے اپنی اَنا کا بت توڑ کر تسلیم جاں ہو جانا ہے، جس کو ہم عبادات کے نام سے جانتے ہیں، جو کہ درحقیقت ایمان کے اظہار کا حقیقی اور بلاواسطہ ذریعہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار مصروفیات کے ذکر کرنے کے باوجود جو کہ عبادتِ خداوندی ہی کا مظہر تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی حضوریِ رب کا بھی کہا گیا، اس بات کو سمجھانے کی خاطر کہ قربِ خداوندی کا وہ پہلو جس میں بندہ گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے رہتا ہے، ہر حال میں مستحضر رہنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ دنیا کی دوڑ دھوپ کی تھکاوٹ اور بوجھ شوقِ عبادت کی ہلکان وآسودگی میں تبدیل ہوجائے۔

مذکورہ حدیث میں عبادات کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔ اسی طرح اخلاقیات کا شعبہ دین کی حقیقی تربیت اور عام چال وچلن میں اس کی افادیت کے اظہار کا ذریعہ ہے، جس میں اس قدر مختلف النوع آداب واحکام کا ذکر ہے کہ جس پر صفحات کے صفحات لکھے جاچکے ہیں۔

یہاں تک کہ معلّمِ اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارمِ اخلاق کی تکمیل بتلایا ہے: ''إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔'' (الأحکام الشرعیۃ الکبری، جزء:۳،ص:۳۰۸) ''بے شک مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے، تاکہ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کرسکوں۔''

اخلاقِ حسنہ کو بہترین اشخاص کا وصف قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا۔'' (صحیح مسلم، باب کثرۃ حیاءہ صلی اللہ علیہ وسلم) ''بے شک تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں۔''

قرآن وحدیث میں جن جن اخلاقی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: تقویٰ، عفّت، پاک دامنی، حیا، خوش مزاجی، شجاعت، عدل وانصاف، قناعت، استقامت، تواضع، انکساری، سخاوت، صبر وشکر، حلم وبردباری، علم، نرم خوئی، توکل، سچ، اخلاصِ نیت، توبہ، زہد واستغناء، رضاء برقضاء، عشقِ الٰہی، عشقِ رسول، شوقِ شہادت، اکلِ حلال۔ ان کے بعد دین کا وہ شعبہ ہے جسے ہم معاشرت کے نام سے جانتے ہیں، جس کا تانا بانا اپنے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اور ان سب کے حقوق کی کماحقہ ادائیگی ہی بہتر سے بہتر معاشرے کی تصویر بن سکتی ہے۔

مخلوقِ خدا کی معاشرتی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلٰى عِيَالِهِ۔'' (شعب الإیمان للبیہقی، جزء:۶،ص:۴۳) ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ساری مخلوق میں سے اللہ کے ہاں بہترین شخص وہ ہے کہ جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہو۔'' اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے ہاں مطلوبہ اعمال میں سے اہم ترین عمل وہ ہے جو اس کے بندوں سے جڑا ہوا ہے، یعنی حقوق العباد جو کہ معاشرے کی حقیقی روح کے مانند ہیں، اسی وجہ سے حقوق اللہ کی معافی بہ نسبت حقوق العباد کے آسان ہے، کیوں کہ حقوق العباد کا تعلق براہِ راست اللہ کے بندوں سے ہے۔

اسی عقدہ کو حل کرتے ہوئے فرمایا: ''الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ

فِيْ السَّمَاءِ۔'' (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ) ''جو رحم کرنے والے ہوتے ہیں رحمن ان پر رحم فرماتا رہتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔'' مذکورہ احادیث اس امر کی وضاحت کو کافی ہیں کہ معاشرتی عروج وزوال کا انحصار آپسی معاملات پر ہے۔ جس قدر آپس میں ان صفاتِ عالی کو عام کیا جائے گا، اسی قدر معاشرے کے حسن میں نکھار آتا جائے گا۔ ورنہ جتنا ان سے روگردانی کی جائے گی، اتنا ہی یہ پھول سکڑ سکڑ کر بے رنگ و بو ہوتا جائے گا۔

وہ اعلیٰ صفات کیا ہیں؟ ان میں سے چند کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے: صفائی ستھرائی، اہلِ محلہ کے حقوق، سواری کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک، زوجین کے حقوق، والدین کے حقوق، نکاح، مہر، طلاق، رضاعت، ستر پوشی، سلام کا رواج، اکرامِ مسلم، صلہ رحمی، صلح کروانا، مدد کرنا، مریض کی عیادت، وغیرہ۔ ان اساسیات کے بعد معاملات کی حیثیت بھی دین میں ایسی ہی ہے جیسی کہ دیگر اعمال کی۔

آپس کے معاملات کو رسم و رواج اور اپنی اَنا کی بھینٹ چڑھانے کے بجائے ان کو بھی آسمانی ہدایات کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے، جن پر عمل پیرا ہونا اس پرفتن دور میں کہ جس میں دین کا تصور عمل نجی معاملات تک محدود ہو چکا ہے زیادہ ضروری ہے اور اشاعتِ دین کی ایک کارگر صورت ہے۔

کتبِ فقہ میں دین کے وہ احکامات جو کہ معاملات کے متعلق ہیں بڑی ہی کثرت اور عرق ریزی کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں، جن پر سرسری نظر ڈالتے ہی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ دین کے احکامات کس قدر گہرائی اور گیرائی لیے ہوئے ہیں۔ معاملات کا باب ان اُمور پر مشتمل ہے جن کا تعلق ہماری معاشی، قانونی، اور ذاتی زندگی سے ہے، معاملات کے احکامات اکثر و بیشتر عدمِ التفات کا شکار رہتے ہیں۔ ہم یہاں معاملات کے ان احکامات کو درج کرتے ہیں، جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سابقہ رہتا ہے، جن میں: زراعت، اجارہ، عاریت، امانت، قرض، وراثت، وصیت، ہدیہ، ہبہ، تحفہ تحائف، رہن، شرکت، مضاربت، تجارت، وکالت، کفالت، صلح، حقِ شفعہ، مالِ وقف شامل ہیں۔ اسلام ان تمام شعبہ جات کا احاطہ کرتا ہے۔

کامیابی کی کلید

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

طوفان اس لیے آتے ہیں کہ اپنی تباہ خیزیوں کے ساتھ گزر جائیں، موجیں اس لیے متلاطم ہوتی ہیں کہ ساحل کو روند کر واپس چلی جائیں، آتش فشاں اس لیے پھوٹتے ہیں کہ زمین کے سینہ میں جو لاوے چھپے ہوئے ہیں وہ باہر آ کر ساکت وجامد ہو جائیں، ان کی ہلاکت خیزیاں اور تخریب انگیزیاں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ لگتا ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ ان کے پنجہ استبداد سے بچ نہیں سکے گا، لیکن ان کو ثبات ودوام حاصل نہیں ہوتا۔

انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی میں بھی ایسے طوفان اٹھتے ہیں کہ جس سے دل لرزنے اور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں، لیکن اصل میں یہ اس کے لیے آزمائش کے لمحات ہیں، اگر وہ کچھ دیر اس میں استقامت کا ثبوت دے، کم ہمتی سے دوچار نہ ہو، جذبات سے مغلوب نہ ہو اور ردعمل کی نفسیات میں مبتلا ہو کر کوئی غیر دانش مندانہ اقدام نہ کر بیٹھے، تو یہی مصیبت اس کے لیے راحت کا مقدمہ اور یہی وقتی پستی اس کے لیے سربلندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ مؤمن کو قرآن نے ایسے مواقع پر دو باتوں کا حکم دیا ہے، صبر اور صلوٰۃ۔

صبر کیا ہے؟ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی عزیز وقریب کی موت پر رونے دھونے سے اجتناب کا نام صبر ہے، لیکن حقیقت میں صبر کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے، صبر کے معنی برداشت کرنے کے ہیں، قوت برداشت بہت بڑا جوہر ہے اور اس قوت سے محرومی بہت بڑا عیب ہے، جس آدمی میں قوت برداشت ہوتی ہے، اس میں تدبیر کی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ مخالفت سازشوں سے نمٹنے کی مؤثر کاروائی کر سکتا ہے، انبیاء علیہم السلام کو چوں کہ سب سے زیادہ مخالف حالات سے گذرنا پڑتا ہے، اس لیے ان میں حلم وبردباری اور مخالفت کو سہنے کی صلاحیت من جانب اللہ سب سے زیادہ ودیعت ہوتی ہے۔

میرا منشا یہ نہیں ہے کہ صبر کا مطلب بزدلی اختیار کرنا اور حوصلہ ہار جانا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ حکمت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا نہیں چاہیے اور اپنے جذبات کو بے محل خرچ کرنے سے بچنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں قدم قدم پر اس کی مثالیں ملتی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اہل مکہ کی جانب سے ایک جتھے نے مسلمانوں پر حملہ کیا، جو کم وبیش چالیس افراد پر مشتمل تھا، ظاہر ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے جان کے درپے ہو کر حملہ آور ہوئے تھے اور ان کی حقیقی سزا یہ تھی کہ یہ جس مقصد کے لیے آئے تھے، وہی رویہ ان کے ساتھ اختیار کیا جاتا، یعنی انہیں قتل کر دیا جاتا یا کم سے کم وہ قید کر لیے جاتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یوں ہی رہا فرما دیا۔

، کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یقینا جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی اور اس سے چاہے جانی یا مالی نقصان کسی بھی فریق کا ہوتا، لیکن عربوں میں اسلام کے تئیں نفرت اور بڑھ جاتی، کیوں کہ وہ حرم کا بے حد احترام کرتے تھے، انہیں خیال ہوتا کہ مسلمانوں نے اب حرم کی حرمت کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا ہے، یہ ہوش کو جوش اور حکمت و مصلحت کو جذبات پر غالب رکھنے کی ایک مثال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک معرکہ غزوہ بنو مصطلق کے نام سے معروف ہے، اس غزوہ میں ایک انصاری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام کے درمیان معمولی سی بات پر کچھ تیز و تند، گفت گو ہوگئی، پھر انصاری نے اپنی مدد کے لیے انصار کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے مہاجر کو آواز دی اور اس طرح دو افراد کا جھگڑا دو گروہ کا جھگڑا بن گیا، عبداللہ بن ابی، جو نفاق کے مرض میں مبتلا تھا، بلکہ گروہ منافقین کی قیادت کرتا تھا اور کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا، جس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے، اس نے اس موقع کو اپنی ناشائستہ حرکت کے لیے بہت غنیمت جانا اور انصار کو یہ کہہ کر برانگیختہ کیا کہ مہاجرین کے معاملہ میں تمہاری مثال عربوں کے اس محاورہ کی سی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے، "سمن کلبک یا کلک"

عبداللہ بن ابی کی اس ریشہ دوانی کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کمسن انصاری صحابیؓ نے دی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر استفسار فرمایا تو وہ صاف مکر گیا، کچھ دوسرے بزرگ انصار جو عبداللہ بن ابی کے نفاق سے واقف نہیں تھے، انہوں نے بھی عبداللہ بن ابی کی حمایت کی، اس موقع پر قرآن مجید کی آیت ان کمسن انصاری صحابیؓ کی تصدیق میں نازل ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ شفقت ان کی گوش مالی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حق کا جوش غالب رہتا تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ عبداللہ بن ابی کی گردن ماردی جائے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت مرحمت فرماتے تو یقینا یہ بجا ہوتا کہ: "الفتنة اشد من القتل" لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، تاکہ اگر میں ایسا کروں تو انصار کو غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اور لوگ بھی ایسا سوچیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے رفقاء کو قتل کرا رہے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی اور صحابہ کو کوچ کرنے کا حکم دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پورے دن، رات اور آئندہ دن دوپہر تک خلاف معمول چلتے رہے، یہاں تک کہ صحابہ تھک کر چور ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کرنے کا حکم فرمایا، اس مسلسل سفر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اتنا تھک جائیں کہ انصار و مہاجرین کے درمیان جو تلخی وہاں پیدا ہوگئی تھی، اس کا اثر جاتا رہے۔

پھر ایک وقت آیا کہ خود عبداللہ بن ابی کے صاحب زادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بہت مخلص مسلمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص محبین میں تھے، انہوں نے درخواست کی کہ میں اپنے والد کے نفاق

سے واقف ہوں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو تو میں خود انہیں قتل کر سکتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا، میں اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا ہی معاملہ کروں گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو یہ صورت حال بتائی کہ اگر ہم اس وقت عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دیتے تو اس سے بعض مخلص مسلمانوں کو بھی غلط فہمی ہو سکتی تھی، لیکن اب یہ صورت حال ہے کہ خود ان کے بیٹے ان کا سر قلم کرنے کو تیار ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رائے میں برکت رکھی ہے "، بارک اللہ فی رأی رسولہ ﷺ" یہ وہی حکمت و مصلحت اور ہوش کو جذبات اور جوش پر ہوش کو غالب رکھنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کی کتنی ہی مثالیں ملتی ہیں۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اس صورت حال کو سمجھیں، اگر ہم نے مغلوب الجذبات ہو کر چند پتھر پھینک دیے، تو اس سے یقیناً دوسروں کا کچھ خاص نقصان نہیں ہوگا اور نہ اس سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا، البتہ اس سے آپ کے لیے بہت زیادہ نقصان و مضرت کا اندیشہ موجود ہے، کوئی انسان کتنا بھی ظالم اور بدخو ہو، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو اپنے ظلم و جور کے لیے کوئی دلیل ہاتھ آجائے، خواہ وہ کم زور سے کم زور تر کیوں نہ ہو، شیطان نے بھی اپنی عدول حکمی کے لیے ایک دلیل دریافت کر لی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مادہ تخلیق اس کے مادہ تخلیق سے کمتر ہے، اس لیے وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کرے گا۔

اگر ہم مشتعل اور بے برداشت ہو کر کوئی معمولی سی حرکت بھی کر گزریں تو جو لوگ اپنے سینوں میں بغض چھپائے رکھتے ہیں، ان کو اپنی زیادتی کے لیے سند جواز ہاتھ آجاتی ہے، گویا ہم اپنے ہاتھوں ان کو اشتعال کا ہتھیار دے دیتے ہیں، پھر لوگ واقعات اور اس کے اصل محرکات کو نہیں دیکھتے، بلکہ ظاہری سبب کو ہی اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، اس لیے ایسے مواقع پر سوچنا چاہیے کہ کون سا قدم ہمارے مقصد کے لیے مفید و معاون ہوگا۔

خدا کی مدد کا دوسرا ہتھیار "صلوٰۃ" ہے، صلوٰۃ: کے اصل معنی نماز کے ہیں، نماز ایک ایسی عبادت ہے، جس میں انسان خدا کے سامنے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچھا دیتا ہے اور پیشانی سے لے کر پاؤں تک انگ انگ خدا کی بندگی میں مشغول ہوتا ہے، اس لیے نماز دراصل رجوع الی اللہ کا عنوان ہے، یعنی مشکل حالات میں انسان اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہو جائے، وہ خدا کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی رکھ دے کہ ہم محتاج ہیں تو غنی، ہم فقیر ہیں تو داتا، تو ان ہاتھوں کو خالی واپس نہ فرما، خدا کی طاقت بے پناہ ہے، یوں تو روز و شب خدا کی قدرت کو ہم دیکھتے ہی رہتے ہیں، لیکن یہ قدرت اسباب کے پردہ میں ظہور پذیر ہوتی ہے، کبھی کبھی خدا کی طاقت اسباب سے آزاد ہو کر بھی انسان کے مشاہدہ میں آتی ہے۔

غور کرو کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کے لیے فرعون کا لشکر جرار جمع ہو رہا تھا اور

کبر وغرور سے مغرور ہو کر نکل رہا تھا، تو لوگ یہی دیکھ رہے تھے کہ یہ لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے چل رہا ہے، لیکن اللہ کے یہاں یہ بات مقدر تھی کہ ان کا یہ اجتماع خود ان کے نیست و نابود ہونے کا ذریعہ بن جائے گا، چناں چہ وہی ہوا، بدر کے معرکہ میں بڑے بڑے سورما اور بہادر مکہ سے چلے آئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے، ان کے جوش وخروش کو دیکھ کر لوگوں کو خیال گذرا ہوگا کہ یہ تو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، لیکن کسے خبر تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سورماؤں کو اس لیے جمع کر رہا ہے کہ خود ان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور مکہ کو اپنے ضدی سرداروں سے نجات مل جائے، آئندہ اہل مکہ کے لیے دعوت حق کو قبول کرنا آسان ہو۔

غزوہ احزاب میں اتحادیوں کی ایک پہاڑ جیسی فوج اس لیے جمع ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے مقابلہ تمام اسلام مخالف طاقتوں کو متحد و مربوط کر دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ اس آخری کوشش کی ناکامی کے بعد ہمیشہ کے لیے ان کی ہمت ٹوٹ جائے اور خود ان کی صفیں بکھر جائیں۔ اس لیے ہمیں خدا کی طرف اور اس کے خزانہ و طاقت سے مدد لینا چاہیے، پھر اس کے لیے نہ کوئی چیز انہونی ہے اور نہ کوئی بات ناممکن، وہ چاہے تو وقت کی سپر طاقتوں کو راکھ کا ڈھیر بنادے اور اپنے کم زور بندوں کو آہن وفولاد سے زیادہ طاقت ور۔

دعا کا مقصد یہی ہے کہ مومن خدا کے غیبی خزانہ سے اپنا مدعا حاصل کریں، یہی صبر اور رجوع الی اللہ، اللہ کی مدد کی کلید اور کام یابی کا ہتھیار ہے اور بے صبری اور خالق کے بجائے مخلوق پر بھروسہ، مؤمن کے لیے ناکامی و نامرادی کا پیش خیمہ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، یہ آخری فقرہ صبر کی مزید تاکید کے لیے ہے، کیوں کہ صبر ایک مشکل کام ہے، یہ اپنے جذبات کی آگ کو اپنے آپ بجھانا اور نفس کے تقاضوں کو آپ قتل کرنے کے مترادف ہے، انسان کا کسی مقصد کے لیے یکبارگی جان دے دینا، بہ نسبت آسان ہے، لیکن کسی کاز کے لیے گھٹ کر مرنا اور مسلسل اپنے جذبات کو تختہ دار پر چڑھانا بہت دشوار، اسی لیے شاعر نے خوب کہا ہے:

سلگنا اور شے ہے جل کے مرجانے سے کیا ہوگا؟
ہوا ہے کام جو ہم سے وہ پروانوں سے کیا ہوگا؟

موجودہ حالات میں ہمیں اپنے آپ سلگنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہیے، ہمارے دل حوصلہ و ہمت سے معمور ہوں، ہمارے جذبات کی لگام حکمت وشعور کے ہاتھوں میں ہو، ہماری پیشانی میں خدا کے یقین کا نور ہو، اور ہمارے ہاتھ اپنے خالق کے حضور اٹھے ہوئے ہوں، یہی ہمارے لیے کام یابی کا راستہ ہے اور اسی طرح ہم اللہ کی مدد کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

سنت کی اہمیت اور ہمارا معاشرہ

مولانا عمیر صاحب

ایک عرصہ سے یہ بات ذہن میں تھی کہ سنت کی اہمیت پر چند چیزیں جمع کروں، کیونکہ ہمارے معاشرے میں عام خیال یہ ہے کہ جب کسی عمل کو سنت کہا جاتا ہے تو اس کو صرف اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ کرنے پر تو ثواب ہے، لیکن چھوڑنے پر باز پرس نہیں ہوگی، حالانکہ صحابہ کرامؓ تو جب سنت کا نام سنتے تو کان کھڑے ہوجاتے اور اس کو کر گزرتے، جبکہ ہمارے معاشرے میں سنت کو ٹال دیا جاتا ہے، گویا یہ عمل کرنے کی چیز ہی نہیں۔

سنت کا لغوی معنی: خاص طریقہ، ضابطہ، طرز، وغیرہ۔ سنت کا اصطلاحی معنی: محدثین کے نزدیک سنت: ہر وہ قول، فعل، تقریر اور صفت ہے (چاہے پیدائشی ہو یا بعد میں اپنائی ہوئی ہو) جس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جائے، برابر ہے کہ وہ رسالت ملنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ فقہاء کے نزدیک سنت کی تعریف یہ ہے کہ: ہر وہ فعل جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت کی حیثیت سے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی کبھار بغیر کسی عذر کے اس کو چھوڑا بھی ہو۔

لفظ ''سنت'' جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہؓ اور کبار تابعینؒ استعمال فرماتے ہیں تو اس کا معنی ہوتا ہے: ''شریعت میں بتایا ہوا ہر وہ طریقہ جس کی دین میں پیروی کی جاتی ہے''۔ اس تعریف میں وسعت ہے اور اس میں فقہاء کی اصطلاحیں: واجب، سنت اور مستحب تمام شامل ہیں، جیسا کہ علامہ جمال الدین قاسمیؒ نے ''قواعد التحدیث'' میں اس بات کی طرف نشاندہی کی ہے، فرمایا:

''تنبیہ - ذکرنا أن السنة لغة: الطریقة، والمراد بها فی اصطلاح الشارع وأهل عصره ما دل علیه دلیل من قوله صلی الله علیه وسلم أو فعله أو تقریره ولهذا جعلت السنة مقابلة للقرآن، وبهذا الاعتبار تطلق علی الواجب، کما تطلق علی المندوب، وأما ما اصطلح علیه الفقهاء وأهل الأصول من أنها خلاف الواجب فهو اصطلاح حادث وعرف متجدد''۔ (قواعد التحدیث، ص: ۱۴۶)

(تنبیہ - ہم بیان کر چکے کہ سنت کا لغوی معنی ہے: خاص طرز و انداز، جبکہ صاحب شریعت - علیہ السلام - اور ان کے دور میں سنت ہر اس چیز کا نام ہے جس کی طرف رہنمائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر سے ملتی ہو، اس وجہ سے سنت کو قرآن کریم کے مقابل علیحدہ درجہ دیا گیا، اس حیثیت سے واجب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس طرح مستحب پر۔ اور جہاں تک فقہاء اور اصولیوں کی اصطلاح میں ''سنت'' کا تعلق ہے تو یہ واجب سے ہٹ کر علیحدہ درجہ ہے، لہٰذا یہ بعد کی اصطلاح ہے اور نیا عرف ہے''۔)

لہٰذا احادیث مبارکہ میں جب ''من السنة کذا'' یا ''سنتی'' وغیرہ استعمال ہوتے ہیں تو واجب، سنت اور مستحب تینوں میں سے کوئی بھی حکم اس سے مراد ہوسکتا ہے۔ جب فقہی اصطلاح میں لفظ ''سنت'' مشہور ہوا تو لوگوں نے حدیث میں سنت کے لفظ سے وہی معنی مراد لینا شروع کردیا جس میں اس عمل کے کرنے کی ترغیب ہوتی ہے اور اس کا کرنا لازم نہیں ہوتا، اس طرف توجہ کی ضرورت ہے، تاکہ حدیث کے معنی میں غلط فہمی سے بچا جاسکے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ 'سنت' فقہاء کی اصطلاح میں فرض وواجب سے کم تر درجہ رکھتی ہے، جبکہ احادیث میں وارد لفظ ''سنت'' واجب، سنت اور مستحب تینوں پر بولا گیا ہے، لہٰذا کسی عمل کے سنت ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہؓ اور کبار تابعینؒ کے لفظ ''سنت'' کے استعمال سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث مبارکہ سے چند مثالیں جن میں لفظ ''سنت'' استعمال ہوا ہے: ۱-عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یا بنیّ! إن قدرت أن تصبح وتمسی لیس فی قلبک غشّ لأحد فافعل، ثم قال لی: یا بنیّ! وذلک من سنتی، ومن أحیا سنتی فقد أحبنی، ومن أحبنی کان معی فی الجنة''۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم، ج:۷، ص:۳۲۲) ترجمہ:..... ''حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم صبح وشام اس حال میں کرسکو کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے کینہ نہ ہو تو ایسا کرو، پھر مجھ سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! یہ میری سنت (وطریقہ) میں سے ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔ فائدہ: اس حدیث شریف میں لفظ ''سنت'' طریقے کے معنی میں استعمال ہوا، نہ کہ واجب سے کم تر درجہ کے لیے۔

۲-عن عروة بن الزبیر رضی اللہ عنہ قال: قلت لعائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ما أری علی أحد لم یطف بین الصفا والمروة شیئاً وما أبالی أن لا أطوف بینهما، قالت: بئس ما قلت یا ابن أختی! طاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وطاف المسلمون، فکانت سنة۔۔۔الخ''۔ (رواہ مسلم فی کتاب الحج، ج:۹، ص:۲۵)

''وفی روایة: قالت عائشة رضی اللہ عنہا: قد سنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الطواف بینهما، فلیس لأحد أن یترک الطواف بینهما''۔ (رواہ مسلم فی کتاب الحج، ج:۹، ص:۲۶)

ترجمہ:..... ''حضرت عروہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میرے خیال میں جس نے صفا ومروہ کے درمیان سعی نہیں کی اس پر کوئی گناہ نہیں، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں جبکہ میں ان دونوں (یعنی صفا ومروہ) کے درمیان سعی نہ کروں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم نے غلط کہا۔ اے میرے بھانجے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ نے دونوں کے درمیان طواف (سعی) کیا ہے، تو یہ ضابطہ ہوگیا۔۔۔۔۔۔الخ''

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا ومروہ کے درمیان سعی کو ضابطہ

قرار دیا ہے، چنانچہ کسی کے لیے ان دونوں کے درمیان سعی چھوڑنے کی گنجائش نہیں۔

فائدہ: اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''تنبیه: قول عائشةؓ ''سنّ رسول اللهﷺ الطواف بين الصفا والمروة'' أی فرضه بالسنة، وليس مرادها نفی فرضيتها''۔(فتح الباری، ج:۳،ص:۵۰۱) مفہوم: حضرت عائشہؓ نے ''سنّ'' کہہ کر اس کی فرضیت مراد لی، نہ کہ فرضیت کا انکار کیا ہے۔

۳-حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت جس میں حضرت خبیب بن عدیؓ کے ظلماً قتل کا تذکرہ ہے، اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ''فكان خبيب هو سنّ الركعتين لكل امرئ مسلم قتل صبرًا''۔(رواه البخاری فی کتاب الجهاد، ج:۳،ص:۱۱۰۸) ترجمہ:..... ''تو خبیبؓ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے دو رکعتوں کی بنیاد رکھی ہر اس مظلوم مسلمان کے لیے جس کو قتل کیا جا رہا ہو''۔ فائدہ: اس حدیث شریف میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ نے ''سنّ'' کا لفظ طریقے کے لیے استعمال کیا، اس کو کوئی قتل کے وقت دو رکعت کے سنت ہونے کے لیے دلیل نہیں بنا سکتا۔

۴-عن أنس رضی اللہ عنہ أن أهل اليمن قدموا على رسول اللهﷺ فقالوا: أبعث معنا رجلاً يعلمنا السنة والإسلام، قال: فأخذ بيد أبی عبيدةؓ، فقال: هذا أمين هذه الأمة''۔(رواه مسلم فی کتاب الفضائل، ج:۱۰،ص:۱۸۷) ترجمہ:..... ''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یمن کے لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیج دیجئے جو ہمیں اسلام اور (دین) کا راستہ اور طریقہ کار سکھائے۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ: پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: یہ اس امت کا امانت دار ہے'' فائدہ: اس حدیث شریف میں بھی لفظ ''سنت'' راستے اور طریقہ کار کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہ اس درجہ کے لیے استعمال نہیں ہوا جو واجب سے کم تر ہوتا ہے۔

ان مثالوں سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ سنت کا معنی حدیث میں ''الطريقة المسلوكة فی الدين'' ہے، یعنی ''شریعت کا بتایا ہوا ہر وہ طریقہ و انداز جس کی پیروی کی جاتی ہے''۔ سنت کی اس تعریف کو علامہ جرجانی نے اپنی تصنیف ''کتاب التعریفات'' میں ذکر کیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بعض لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ نے فلاں سنت ترک کر دی تو جواب ملتا ہے: جی سنت ہی تو ہے، جبکہ سنت میں کرنے کا پہلو بھی ہے، اس طرف توجہ نہیں ہوتی، جبکہ ہمارے بڑے تو شریعت کے ہر حکم کی بجا آوری میں کوشاں رہتے تھے اور یہ نہیں دیکھتے تھے کہ یہ فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے یا مستحب، بلکہ کر گزرتے تھے۔ سنتوں پر عمل پیرا ہونا فرائض و واجبات کی حفاظت کا سبب ہے اور اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شریعت کے ہر ہر حکم کی تابعداری کی توفیق نصیب فرمائے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے

شاعر مشرق علامہ اقبال کی نظم ''کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے'' کا فکری تجزیہ

عمر فاروق فتحپوری ندوی

شاعر مشرق علامہ اقبال کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، فکری حلقوں میں وہ شاعر، فلسفی، عارف، مفکر، مدبر، حکیم الامت، عاشق رسول شاعر اور ترجمان اسلام کی حیثیت سے بھی معروف ہیں، بیسویں صدی ان کی قومی اور انقلابی شاعری کا آغاز تھی۔ چنانچہ بیسویں صدی کے اس پیغام رساں نے اڑتیس برس کی طویل مدت پر محیط اپنے شاعرانہ پیغام اور بانگ درا سے قوم وملّت کے جیالوں میں ایک نئی امنگ بھر دی، سرد پڑ چکے جذبوں میں عمل کا جوش وولولہ پیدا کر دیا اور اپنے دعوے میں حرف بہ حرف سچا نکلا:

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا ہوتا ہے جادہ پیما پھر قافلہ ہمارا

علامہ اقبال اس زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ نہ صرف برصغیر نہ صرف عالم اسلام بلکہ سارا جہان مشرق معاشی، سیاسی اور ذہنی طور سے مغربی غلامی اور تملقیت کی لعنت میں گرفتار تھا، اسلام سے روگردانی نے مسلمانوں کی بالیدگی وروئیدگی کو ختم کر دیا تھا، معاملات دنیوی میں وہ سپر ڈال چکے تھے، غلامی نے ان کی فطری اور خداداد صلاحیتوں کو بے جان کر دیا تھا اس دور انحطاط اور ماحول کی ان ناگوار ودلخراش کیفیات سے علامہ کا قلب تڑپ اٹھتا تھا، لہٰذا اس دور میں اصلاح وبیداری اور ارتقاء فکر جو تحریکیں اٹھیں علامہ نے بڑھ چڑھ کر ان میں شرکت کی، احیاء قوم اور ارتقاء فکر کے لیے ہر ممکن کوشش کی، مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ کا احساس دلایا، انہیں خواب غفلت سے بیدار ہونے، ذہنی وفکری غلامی کے دبیز پردوں کو چاک کرنے، اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور باوقار قوم کی طرح جینے کا ہنر وحوصلہ دیا اور اس طرح قوم وملت کے اس عظیم غمخوار وغمگسار نے اپنی ساری توانائیاں، ساری عمر مستقبل اسلام کے اس خواب کی تعمیر میں ختم کر دیں:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

موضوع تحریر علامہ صاحب کی وہ نظم ہے، جس میں انہوں نے براہ راست جوانان اسلام سے مخاطب ہو کر ان کے شاندار وروشن ماضی، ان کے اسلاف کے عظیم الشان کارناموں، ان کی سیرت وکردار اور ان کی دینی وملی خدمات پر روشنی ڈالی ہے اور جوانوں میں پھر وہی روح اسلامی پیدا کرنے اور ترغیب عمل کے رجحانات اجاگر کرنے کی سعی ہے۔

نظم کے پہلے شعر میں علامہ اقبال جوانان اسلام کو دعوت فکر وتدبر دیتے ہوان سے استفسار کرتے ہیں کہ اے

جوانانِ اسلام! تم نے کبھی سوچا اور اس حقیقت پر غور کیا ہے کہ جس قوم کا تم سرمایہ ہو وہ کسی زمانہ میں کس قدر عظیم الشان تھی؟ ماضی میں اس قوم کے تجمل شاہانہ کا کیا عالم تھا؟ اس قوم کے کارنامے کتنے بے مثال تھے؟

دوسرے شعر میں علامہ جوانانِ اسلام کو احساس دلاتے ہیں کہ تم کوئی معمولی کھیتی نہیں ہو تمہاری پرورش تمہارا پالن پوسن خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے باکمال افراد کے ہاتھوں ہوا ہے کہ جن کے نزدیک قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اپنی تمام تر وسعتوں اور طولانیوں کے باوجود پاؤں کی خاک سے زیادہ اہم نہ تھی، انہوں نے وقت کی سپر پاور طاقت ایران کے شاہی تاج کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔ لیکن افسوس آج مسکینی و محکومی و نوامیدی تمہارے اسلام کی سوغات ہے۔

تیسرے شعر میں علامہ موصوف تاریخ عالم کے اس حیرت انگیز انقلاب کی جانب توجہ دلاتے ہیں کہ صحرائے عرب جسے شتربانوں، بدوؤں اور خانہ بدوشوں کا گہوارہ کہا جاتا تھا اور وحشیوں و راہزنوں کی آماجگاہ۔ جو جاہلیت کا سب سے بڑا علمبردار تھا، ذلت و پستی کا آخری شاہکار تھا، لیکن اسی صحرائے عرب سے بدوؤں کی یہ جماعت جب اسلام کی بادہ خوار بن کر اٹھی تو سارے عالم پر چھا گئی اور سارا جہان حیرت میں پڑ گیا۔ اور پھر اسی صحرائے عرب کی اُمی قوم نے علوم کے دریا بہائے، دنیا کو اعلیٰ تہذیب و تمدن اور آئین جہاں داری و جہاں بانی سے روشناس کرایا۔

چوتھے شعر میں علامہ اقبال صاحب فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ''**الفقر فخری**'' (شان فقر میرے لیے باعث فخر ہے) کی عملی تفسیر پیش کر رہے ہیں کہ اے جوانوں! تمہارے اسلاف کی شان امارت میں بھی ''**الفقر فخری**'' کا سماں چھایا ہوا تھا، وہ ظاہری شان و شوکت اور سج دھج سے مستغنی ہو کر حکومت کرتے تھے۔ ذرا دیکھو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما خلیفۃ الوقت ہونے کے باوجود ان کے لباس میں کئی کئی پیوند لگے رہتے تھے اور بھلا وہ عورت جو فطری طور پر حسن و تجمل کی ملکہ ہو اسے تصنع، بناوٹی زیب و تن اور سجاوٹ سے کیا سروکار۔ لیکن افسوس کہ اقبال کو ایک وقت یہ بھی کہنا پڑا:

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی　　وہ بندے، فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ

پانچویں شعر میں علامہ مارے رشک کے جھوم جھوم اٹھتے ہیں اور فخر و ناز سے جوانوں کو مخاطب کرتے ہو کہتے ہیں کہ اسلاف کی غیرت و شان بے نیازی کا یہ عالم تھا گدائی و مفلسی میں کسی کے آگے دست تو کیا دراز کرتے بلکہ اہل دولت و ثروت کو مارے خوف و ہراس کے ان کی خدمت میں کچھ پیش کرنے کی جسارت نہ ہوتی تھی اور کیا خوب کہا ہے کسی عارف نے: ''**إن الذي يمدر جله لا يمديده**'' (جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا)

چھٹے اور ساتویں شعر میں علامہ پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور گویا وہ پرکھ لیتے ہیں کہ آج کی اس نسل میں ان جوانوں کے دوش ناتواں میں اتنی قوت برداشت اور تحمل نہیں ہے اور نہ ہی ان کی ذہنی پرواز میں اس قدر بلندی ہے کہ یہ اپنے اسلاف کے کارناموں کی شان رفعت کا تخیل بھی کر سکیں، بس مختصر یہ سمجھ لیں کہ کبھی انہیں دنیا صحرا نشیں و صحرا نورد سے پہچانتی

تھی لیکن انہیں اسلاف نے وہ کارہائے نمانجام دیے کہ دنیا انہیں ''جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا'' تسلیم کے بغیر نہ رہ سکی۔

آٹھویں شعر میں جوانوں کی بے راہ روی اخلاقی انارکی ارادہ وعزم کی کمزوری اور جمود و تعطل دیکھ کر اقبال کی آہ جگر نکلی ہے کہ جوانوں تم وہ نہیں کہ جنہیں اپنے بزرگوں سے کوئی نسبت بھی ہو، تم گفتار کے غازی ہو، تمہارے اسلاف کردار کے غازی تھے، تمہاری جدوجہد کے سارے جذبے سرد پڑ چکے ہیں اور تمہارے اسلاف ہر وقت فعال و متحرک رہتے تھے۔

نویں شعر میں علامہ اقبال نتیجہ پیش کرتے ہیں کہ اس جمود و تعطل عزم و ارادہ کی کمزوری خود فراموشی اور اسلاف کے ورثہ کی ناقدری کا انجام یہ ہوا کہ اسلاف سے جو عظیم الشان ورثہ ملا تھا وہ لمحہ بھر میں تم نے گواں دیا، اس لیے قانون فطرت کے بموجب آسمان نے تمہیں اوج ثریا سے قعر مذلت میں پھینک دیا۔

دسویں شعر میں علامہ موصوف دنیا کے آئین مسلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حکومت تو ایک تغیر پذیر شے ہے اس کے اندر ثبات نہیں ہے۔ ماضی قدیم سے دنیا کا یہی دستور چلا آرہا ہے کہ حکومتیں بنتی ہیں اور پھر نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس گیتی پر ساسانی، بازنطینی، مقدونیائی اور موریائی جیسی ناقابل تسخیر حکومتیں قائم ہوئیں، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ سب فنا ہو گئیں، نظم کا آخری شعر قلب و جگر کو تڑپا دینے والا اور خون کے آنسو رلا دینے والا ہے۔ مسلمانوں نے حکومت تو کھوئی لیکن حیف صد حیف کہ مسلمانوں نے اس عظیم ورثہ کو بھی ضائع کر دیا جس سے دنیا کے اندر استحقاق دائمی حاصل ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے اسلاف کے ذخیرہ علم اور لعل و گوہر کی بقا کا بھی سامان نہ کر سکے جو درحقیقت خلافت فی الارض کی اولین شرائط میں سے ہے۔

ہاں مگر اہل مغرب نے ہمارے اسلاف کے اس عظیم الشان ورثہ کو سینہ سے لگایا اور آج وہی اہل مغرب وہی یورپ جو ازمنہ مظلمہ (Dark Ages) میں ڈوبا ہوا تھا، کلیسا کی طرف سے علم اور ہر نئی سوچ پر پابندیاں عائد تھیں، لیکن انہوں نے اپنے مذہب سے، وقت کے طاغوتی نظام سے بغاوت کی اور آج علوم و فنون کے سرپرست بن گئے۔ آج مسلمانوں کے تمام علوم و فنون پر یورپ کا قبضہ ہے اور مسلمان خالی ہاتھ بیٹھے اس کی اس جرأت کو تک رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی غفلت اور کوتاہ بینی کے سبب یہ تمام سرمایہ تباہ ہو چکا ہوتا، اگر یورپ اس کی حفاظت کا بیڑا نہ اٹھاتا۔

نظم کا آخری شعر فارسی اور تمثیلی شعر ہے، اقبال ملتجیانہ لہجہ میں کہتے ہیں کہ اے غنی! حضرت یعقوب علیہ السلام کی سیاہ بختی کو دیکھ کہ ان کی آنکھوں کا نور (حضرت یوسف علیہ السلام) زلیخا کی آنکھوں کے لیے سامان نور بنا ہوا ہے، مراد یہ ہے کہ کتابیں ہماری تھیں، سرمایۂ علم ہمارا تھا اور اس سے فائدہ اغیار حاصل کر رہے ہیں۔ چنانچہ ضرورت ہے کہ نسل نو خواب غفلت سے بیدار ہو، اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ ہو، اپنی تاریخ سے مکمل واقف ہو اور احساس کمتری کو پس پشت ڈال کر ایک بار پھر شوکت رفتہ کی بازیابی کے لیے برسرپیکار ہو۔ مکمل نظم یہ ہے:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا
تمدن آفریں خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں ''الفقر فخری'' کا رہا شان امارت میں
''بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را''
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دو
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار ، تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شی تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی ، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپا را
غنی! روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دید ہ اش روشن کند چشم زلیخا را

شرم وحیا....انسانیت کا لباس

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ایک موقع پر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری مسلمان کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو بہت زیادہ شرم وحیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ حیا دراصل ایمان کا ایک حصہ ہے۔'' ایک اور صحابی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک موقع پر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''شرم وحیا صرف بھلائی کا باعث بنتی ہے۔'' محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے ادیان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ہر دین کی ایک پہچان ہوتی ہے، اور ہمارے دین کی جداگانہ پہچان ''شرم وحیا'' ہے۔'' ایک بار محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیا کی غیر موجودگی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرتا رہ۔''

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی برے کام سے روکنے کا جو واحد سبب ہے وہ شرم وحیا ہے، اور جب کسی میں شرم کا فقدان ہو جائے اور حیا باقی نہ رہے تو اب اس کا جو جی چاہے گا وہی کرے گا اور جب انسان اپنی مرضی کا غلام بن جاتا ہے تو تباہی اس کا یقینی انجام بن جاتی ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہے تو اس سے شرم وحیا چھین لیتا ہے۔'' ایک طویل حدیثِ مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی کہ اس سے کرنی چاہیے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: الحمدللہ! ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، حیا کا مفہوم اتنا محدود نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں ان سب کی نگرانی کرو اور پیٹ کی اور جو کچھ پیٹ میں بھرا ہے، اس سب کی نگرانی کرو، اور موت کو اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے، اس کو یاد کرو، پس جس نے ایسا کیا، سمجھو اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق ادا کر دیا۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں فکر و عمل سے موت وحیات تک کے تمام اُمور میں حیا کا درس دیا گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ حیا کی سب سے زیادہ حق دار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے، اس لیے کھلے چھپے

ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے حیا کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا مطلب اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا جائے اور جلوت ہو یا خلوت، برائیوں سے بچنا اور نیکیوں میں سبقت اختیار کرنا ہی تقویٰ ہے۔

حضرت ابن حیدہؓ سے روایت ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی شرم گاہ محفوظ رکھو (کسی کے سامنے نہ کھولو) سوائے اپنی بیوی اور باندی کے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا تنہائی میں بھی؟! (شرم گاہ نہ کھولی جائے) محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔'' حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ: ''محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنواری پردہ نشین عورت سے بھی کہیں زیادہ حیادار تھے۔''

اسی لیے ہر قبیح قول وفعل اور اخلاق سے گری ہوئی ہر طرح کی حرکات وسکنات سے آپ کا دامنِ عفت وعصمت تاحیات پاک رہا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ فحش کلام تھے، نہ بیہودہ گوئی کرتے تھے اور نہ ہی بازاروں میں شور کیا کرتے تھے، برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہ دیتے تھے، بلکہ معاف فرما دیتے تھے، یہاں تک کہ زوجہ محترمہ ہوتے ہوئے بھی بی بی پاکؓ نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برہنہ نہ دیکھا تھا۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن میں جب آپ بہت چھوٹی عمر میں تھے اور اپنے چچاؤں کی گود میں کھیلا کرتے تھے تو ایک بار پاجامہ مبارک تھوڑا سا نیچے کو سرک گیا تو مارے حیا کے بے ہوش ہو گئے، تب پانی کی چھینٹوں سے ہوش دلایا گیا، چنانچہ بعد از بعثت حضرت جرہد ابن خویلدؓ سے روایت ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ران (بھی) ستر میں شامل ہے؟۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! اپنی ران نہ کھولو اور کسی زندہ یا مردہ آدمی کی ران کی طرف نظر بھی نہ کرو۔'' حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ: محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: ''مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف اور عورت دوسری عورت کی ستر کی طرف نگاہ نہ کرے۔'' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تو یہاں تک روایت ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! (تنہائی کی حالت میں بھی) برہنگی سے پرہیز کرو (یعنی ستر نہ کھولو) کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے ہر وقت موجود ہوتے ہیں اور کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتے، لہٰذا اُن کی شرم کرو اور ان کا احترام کرو۔''

چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ سوائے قضائے حاجت اور وظیفۂ زوجیت کے اپنا ستر کھولنا جائز نہیں اور بالکل الف ننگا ہو کر غسل کرنا بھی خلافِ سنت ہے، پس دورانِ غسل بھی کسی کپڑے سے ستر یا ننگ کا ڈھکا ہونا بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عورت گویا ستر (چھپی ہوئی) ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے ہیں اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔'' حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ مجھ تک یہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچا ہے

کہ: ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کو دیکھا جائے۔'' چنانچہ جب اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ادھر سے اپنی نگاہ پھیر لو۔''

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ: محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے علیؓ! (اگر کسی نامحرم پر تمہاری نظر پڑ جائے تو) دوبارہ نظر نہ کرو، تمہارے لیے (بلاارادہ) پہلی نظر تو جائز ہے، مگر دوسری نظر جائز نہیں۔'' حضرت ابوامامہؓ نے روایت کیا ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس مردِ مومن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر نظر پڑ جائے، پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی لذت و حلاوت اس مردِ مومن کو محسوس ہوگی۔'' امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی (نامحرم) آدمی کسی عورت سے تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو۔''

ایک موقع پر حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بچو (اور اس معاملے میں بہت احتیاط کرو)۔'' حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''تم ان عورتوں کے گھروں میں مت جایا کرو جن کے شوہر باہر گئے ہوئے ہوں، کیونکہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔'' حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آنکھوں کا زنا (نامحرم عورت کی طرف) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (حرام آواز کا) سننا ہے، زبان کا زنا (ناجائز) کلام کرنا ہے، ہاتھ کا زنا (ناجائز) پکڑنا ہے اور پیر کا زنا (حرام کی طرف) چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔''

حضرت امِ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہؓ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں کہ ایک نابینا صحابی ابنِ اُمِ مکتومؓ حاضرِ خدمتِ اقدس ہوئے تو ہمیں حکم ہوا کہ: ''تم (دونوں) ان سے پردہ کرو، ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ پس محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم (دونوں) بھی نابینا ہو؟ کیا تم (دونوں) انہیں نہیں دیکھتیں؟۔'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ: ''محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں والا حلیہ اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردانہ انداز اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اسی مضمون کو حضرت ابوہریرہؓ نے بھی یوں بیان کیا کہ: ''محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا سا لباس پہنتی ہے۔''

شرم و حیا بعض اوقات بوجھ تصور ہوتے ہیں اور بہت کچھ معاشرتی تقریبات میں تکلیف کا باعث بھی شاید سمجھے جاتے ہوں، جیسے مردوں اور عورتوں کے لیے قیام و طعام اور نشست و برخواست کا جدا جدا انتظام کرنا اور زنانے میں مردوں کے داخلے پر جزوی پابندی، مرد حضرات کے لیے غضِ بصر (نظریں نیچی رکھنے) کا حکم اور خواتین کے لیے حجاب اور اوڑھنیوں کا قانون اور بازاروں میں اور میلوں ٹھیلوں اور کھیل تماشوں میں خواتین کی حتی الامکان حوصلہ شکنی وغیرہ، لیکن ان

معمولی بارِگراں جیسے انتظامات کے نتیجے میں ایک بہت بڑا ثمر آور معاشرہ وجود میں آتا ہے، جہاں نسلوں کے نسب مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور آنکھوں میں شرم وحیا کے باعث سینوں میں ایمان بھی سلامت رہتا ہے۔

یہ انتظامات اگرچہ بعض اوقات معمولی کوفت کا باعث بھی بن جاتے ہیں، لیکن حساب کے عملی قاعدے کے مطابق آمدن اور خرچ کے تقابل کے بعد نفع یا نقصان کا تعین کیا جاتا ہے، چنانچہ اس معمولی سی تکلیف کے بعد عالمِ انسانیت کو اگر ایمانی وروحانی وجسمانی صحت بھی میسر آجائے تو سودا نہ صرف یہ کہ مہنگا نہیں، بلکہ انتہائی سودمند اور بارآور ہے۔ اس کے برعکس مخلوط محافل میں سب سے پہلے آنکھوں کی حفاظت مطلقاً ناممکن ہوتی ہے۔ آنکھوں کے راستے دل کی آلودگی شروع ہوجاتی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد مبارک کا مفہوم ہے کہ: ''نظر دل کی طرف تیروں میں سے ایک تیر ہے۔'' نظر بازی سے ناجائز آشنائیوں کے راستے کھلتے ہیں اور پھر انسانی معاشرہ بالآخر تباہی کے اس گڑھے میں جا گرتا ہے جس سے بچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ ہر میدانِ عمل کی طرح جب حیا اور شرم کے میدان میں بھی آسمانی تعلیمات سے منہ موڑ کر روگردانی کی جائے اور احکاماتِ ربانیہ کو پس پشت ڈال کر شادمانیوں کے گل چھڑے اُڑائے جائیں گے تو تباہی وبربادی انسان کا مقدر ٹھہرے گی۔

بے حیائی کے منطقی وتاریخی نتائج میں سے ایک بہت بھیانک نتیجہ خاندانی نظام کی تباہی ہے۔ شرم وحیا کا ایک نتیجہ نکاح کے ادارے کی مضبوطی وپختگی اور دوام بھی ہے۔ مرد کو جب دوسری عورتیں نظر ہی نہیں آئیں گی یا لپٹی، سمٹی اور ڈھکی ہوئی نظر آئیں گی تو چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی تمام تر توجہ اپنی ہی زوجہ کی طرف رہے گی۔ اسی طرح جب عورت کا چاہنے والا صرف ایک ہی ہوگا، یعنی اس کا اپنا شوہر ہی ہوگا تو اس کا مرکزِ التفات کبھی منتشر نہیں ہوگا، اور خاندانی نظام مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا، جس کا نتیجہ سوائے خیر کے کچھ بھی برآمد نہیں ہوگا۔

اگر تصویر کا دوسرا رُخ مشاہدہ کیا جائے تو دنیا میں اس قبیل کے بھی بے شمار معاشرے نظر آئیں گے، جو معاشرے معاشقوں کی بھینٹ چڑھ کر زندہ انسانوں کا قبرستان بن چکے ہیں، بے روح انسانوں کے اجسام کا جمِ غفیر ہے جو ایک دوسرے سے بیزار، حرص وہوس کی دوڑ میں چند سکوں کے عوض باہم جھنجھوڑنے، بھنبھوڑنے اور نوچنے، چاٹنے، سونگھنے اور چکھنے کے بعد اگلے شکار کی تلاش میں کسی دوسرے بے روح جسم سے کفن کو تار تار کرنے کی تگ ودو میں مصروفِ عمل ہوجاتا ہے۔ شرم وحیا کے قحط نے وہاں کے انسانوں کی روحوں کو بے آب وگیاہ ریگستان کی مانند تپتے ہوئے پیاسے صحرا کی مثال بنادیا ہے، جہاں ہر سو سراب ہی سراب ہیں۔

رحم کے رشتے ہوں یا نسبی وصہری تعلقات ہوں، شرم وحیا کی قلت وتعدیم نے ہر نوع کے دامنِ عصمت کو ورق ورق کردیا ہے اور اس کا وہی مذکورہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ عریانی وفحاشی کے خونخوار ہاتھوں سے خاندانی نظام درہم برہم ہوکر رہ گیا ہے۔ لومڑی گڑھے میں پھنسی تھی، بار بار چھلانگیں لگانے کے باوجود نکل نہیں پارہی تھی۔ گدھے نے دیکھا تو لومڑی نے فوراً

گڑھے کی دیواروں کو سونگھ کر آنکھیں اس طرح بند کیں کہ جیسے بہت لذت وسرور آرہا ہو۔ گدھے نے پوچھا تو لومڑی نے گڑھے کے قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے کہ گویا یہ گڑھا قطعۂ بہشتِ بریں ہے۔ گدھے نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، چھلانگ لگادی۔ لومڑی نے گدھے کی کمر پر اپنے پاؤں ٹکائے اور چھلانگ لگا کر گڑھے سے باہر آ گئی۔

دشمن اپنے پورے وسائل، قوت وطاقت اور ذہنی وفکری صلاحیتوں اور تحریری وتقریری مواد سے سے اُمتِ مسلمہ کے سامنے عریانی وفحاشی ومے خواری وبدکاری ولذتِ گناہ اور گناہِ بے لذت کے اس مکروہ اور بدبودار ومکروہ گڑھے کو جنت بنا کر دکھانے میں پوری طرح مصروف ہے، جب کہ غدارانِ ملت ہمیشہ کی طرح اس بار بھی گدھے کا کردار ادا کر کے اپنی وہ قیمت وصول کر رہے ہیں کہ جس کا خمیازہ صدیوں تک نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔ ایسے لوگوں کے بارے قرآن مجید نے واضح طور پر کہا ہے کہ:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔" (النور:۱۹) ترجمہ: "جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

دشمن ہمیں اس گڑھے میں دانستہ طور پر گرانا چاہتا ہے، جہاں سے نکلنے میں وہ خود بری طرح ناکام ہے، لیکن وہ گڑھے میں پھنسنے کے بھیانک انجام سے ہمیں اس لیے آگاہ نہیں کرتا کہ ہم اس کے جال میں بآسانی شکار ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات ہمارے لیے بہت کافی ہیں، الحمدللہ۔

گزشتہ اقوام کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ گناہ کے کام مل کر اجتماعی طور پر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر عذاب اگرچہ بڑا عذاب ہے، لیکن سب سے سخت ترین عذاب قومِ لوط پر آیا جو اجتماعی عذاب بھی تھا اور انفرادی عذاب بھی۔ اس قوم کے جرائم میں ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ شرم وحیا سے عاری ہو چکی تھی اور بے حیائی کے کام بھری محفلوں میں سرِ عام کیا کرتے تھے۔ قومِ لوط کے لوگوں کی گفتگوئیں، ان کی حرکات وسکنات، اشارات وکنایات اور ان کے محلے اور بازار سب کے سب عریانی وفحاشی اور برائی وبے حیائی کا مرقع تھے، تب وہ غضبِ خداوندی کے مستحق ٹھہرے۔ آج کی سیکولر تہذیب نے بھی انسانیت کو حیا کے لبادے سے ناآشنا کر دیا ہے اور انسان کو ثقافت کی آڑ میں اپنے خالق ومالک سے دور کر کے تباہی وبربادی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔

پس جو بھی اس بے ہودگی وہوسِ نفس کی ماری پرکشش اور فریب زدہ سیکولر تہذیب میں داخل ہوگا، وہ "إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" کی عملی تصویر بنتے ہوئے ممکن ہے کہ قومِ لوط میں شمار ہو کہ یہ سیکولر فکر خالصتاً ابلیس اور اس کے پیروکاروں کا راستہ ہے، جس کا انجام بھڑکتی ہوئی آگ کی وادیاں ہیں، اور جو اس نقصان سے بچنا چاہے اس کے لیے کل انبیاء علیہم السلام کا طریقۂ حیات موجود ہے، جسے بسہولت حیاتِ حیاداری کا نام دیا جا سکتا ہے کہ اس دنیا میں انسانوں سے حیا ہو اور روزِ محشر اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر کے سامنے پیش ہونے کا خوف وحیا ہو۔

تربیت اولاد کیوں اور کیسے؟

مولانا زبیر احمد صدیقی

اولاد حق تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔نسل انسانی،حسب ونسب کی بقااورانسانی ومعاشرتی عمارت کی تعمیر کا ذریعہ ہے۔ اولاد ہر انسان کی دینی ودنیاوی وارث اور دنیا وآخرت کا سہارا ہوتی ہے۔حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی نظر دنیا پر نہیں، بلکہ آخرت پر ہوتی ہے۔وہ اس دارفانی سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔انہیں دنیا سے بس ضرورت کا تعلق رکھنا ہوتا ہے۔ اس کے باجود انہیں بھی اولاد کی تمنا وآرزو رہی۔قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام،حضرت زکریا علیہ السلام جیسے اولوالعزم انبیاء کی طلب اولاد کے سلسلہ میں دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ان ادعیہ قرآنیہ میں بیٹے کی طلب کے ساتھ حکمت بھی مذکور ہے کہ بیٹا اپنے باپ اور بزرگوں کا علمی وعملی وارث ہوگا۔اس لیے انبیاء علیہم السلام کی دنیوی وراثت نہیں ہوا کرتی، بلکہ ان کی وراثت صرف علم وعمل کی ہی وراثت ہے۔

اولاد ہر انسان کا سہارا اور دکھوں کا مداوا ہوتی ہے۔اپنے والدین کے ناتمام امور اور خواہشات کو عملی جامہ پہناتی ہے۔گویا ماں باپ اور خاندان کی عزت وتکریم بھی اولاد سے وابستہ ہوتی ہے۔فطری طور پر حق تعالیٰ نے والدین کے قلوب میں اولاد کی اور اولاد کے دلوں میں والدین کی محبت موج زن کی ہوتی ہے۔اس لیے فریقین ایک دوسرے کے لیے باعث نفع اور باعث سہارا ہوتے ہیں۔اولاد جتنی صالح،باصلاحیت،محنتی،باسلیقہ اور باادب ہوا تنی ہی والدین،خاندان اور برادری کے لیے باعث عزوشرف ہوتی ہے۔نیز اولاد جس قدر بدکار،نکمی،کام چور،بے سلیقہ اور بے ادب ہوا تنی ہی والدین،خاندان اور معاشرے کے لیے باعث ننگ وعار ہوتی ہے۔

یہ سچ ہے کہ بعض بیٹے اور بیٹیاں ماں باپ کا نام روشن کرتے ہیں،جب کہ کچھ اولادیں والدین کو بدنام اور رسوا کرتی ہیں۔اولاد کی لیاقت اور صلاحیت میں جہاں دیگر عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہاں والدین کی تربیت کا عنصر بھی نہایت اہم ہوتا ہے۔ہر بچہ اپنے ماں باپ سے نہ صرف رنگ پکڑتا ہے، بلکہ دین،دنیا،علم،عمل،ادب،تقویٰ،خداترسی،سخاوت، شجاعت،دیانت،امانت.....الغرض سبھی کچھ اپنے والدین سے ہی سیکھتا ہے۔بچے کے لیے پہلی درس گاہ ماں کی گود اور باپ کا کندھا ہوتا ہے۔وہ لاشعوری طور پر اپنے ماں باپ کی خصلتوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو خوب واضح فرمایا ہے:ہر بچہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں،نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں۔(بخاری ومسلم)مذکورہ بالا حدیث میں تو اولاد کی بداعتقادی اور گمراہی کا ذمہ دار بھی والدین کو ٹھہرایا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ روزِ محشر والدین سے اولاد کی بابت بھی یہ سوال ہوگا: تم میں سے ہر شخص محافظ اور ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اسی کی رعیت (جو کوئی اور جو چیز اس کی ذمہ داری میں ہے) کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (بخاری: 6634، مسلم: 1830) مذکورہ بالا حدیث میں اس حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے کہ روزِ محشر اولاد سے متعلق، ازواج واولاد اور ماتحتوں سے متعلق سوال ہوگا۔ قرآن کریم نے اس حکم کو مزید واضح فرمایا ہے: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ (تحریم: 6) حضرات انبیاء علیہم السلام، صالحین امت نے ہمیشہ اس فریضہ کی تلقین بھی کی اور اس پر عمل بھی کیا۔ قرآن کریم میں متعدد انبیاء علیہم السلام سے ازواج واولاد کی اصلاح وتربیت کے حوالے سے واقعات اور فرامین مذکور ہیں۔

تربیت اولاد ولادت اولاد سے لے کر انسان کی وفات تک جاری رہتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بوقت وفات اپنے صاحب زادوں کو جمع کر کے اپنی ذریت کی اعتقادی تربیت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے: کیا اس وقت تم خود موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ ان سب نے کہا تھا کہ ہم اسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے۔ اور ہم صرف اسی کے فرماں بردار ہیں؟ (البقرہ: 133)

مشاہدہ وتجربہ یہی ہے جو والدین اپنی اولاد کے سلسلہ میں ہوشیار، ذمہ دار ہوتے ہیں ان کی اولاد لائق اور مہذب ومؤدب ہوتی ہے۔ جو والدین خود غیر تربیت یافتہ، غافل اور غیر ذمہ دار ہوتے ہیں ان کی اولاد جاہل اور غیر متمدن وآوارہ ہوجاتی ہے۔ دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ نسل نو کی تربیت ہے۔ ملک میں ایک بڑا طبقہ اس فریضہ سے غافل ہے۔ اسی کے نتیجے میں آوارگی، معاشرتی جرائم، بداعتقادی، بدعملی، بے روزگاری اور بے راہ روی پھیل رہی ہے۔ آئے روز دینی اور معاشرتی انحطاط ہوتا جارہا ہے۔

شرفاء اور معززین کی اولادیں معاشرے پر بدنما داغ بنتی جارہی ہیں۔ کالجز اور یونیورسٹیز کے بعض طلبہ وطالبات شرمناک کھیل کھیلتے نظر آتے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک معتد بہ حصہ خوف خدا سے عاری ہو کر ظلم وستم، ناانصافی، بدعنوانی، رشوت ستانی اور خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ملک میں امن نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ انصاف وعدل بھی خواب بن کر رہ گیا ہے۔ انسانیت انس سے اور مسلمان سلامتی سے عاری ہوتا جارہا ہے۔ اس لیے اس فریضہ کی جانب ہر خاص وعام کا متوجہ ہونا ضروری ہے۔

اسلام نے تربیت اولاد کا سلسلہ ہونے والے والدین سے اولاد کی ولادت سے قبل ہی شروع کرنے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں ہدایت دی گئی کہ ولادت اولاد سے پہلے ہی حق تعالیٰ سے نیک اولاد کی دعا کی جائے۔ قرآن کریم نے نیک اولاد کی طلب کی متعدد دعائیں ذکر کی ہیں۔ میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دے دے جو نیک لوگوں میں سے ہو۔

(الصافات:100)ایک جگہ ارشاد فرمایا: یاربّ! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ بے شک تو دعا سننے والا ہے۔(ال عمران:38)ایک جگہ اس دعا کی تلقین کی گئی: ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنادے۔(فرقان:74) بچے کی ولادت کے بعد بچے کو حق تعالیٰ کی جانب سے عظیم عطیہ اور تحفہ جاننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ قرار دے کر اس نعمت کی قدردانی کی ترغیب دی گئی۔ اس لیے ارشاد فرمایا: وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔(شوریٰ:49)

ماضی وحال میں بعض ناسمجھ لوگ بیٹے کی ولادت پر خوشی ومسرت کا اظہار کرتے اور بیٹی کی ولادت پر اظہار غم وافسوس کرتے۔ قرآن وسنت نے بیٹے وبیٹی کی اس تفریق کی بھی نفی کی، بلکہ بیٹی کی ولادت پر کف افسوس ملنے والوں کی ان الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ اس خوش خبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور یہ سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رہنے دے یا اسے زمین میں گاڑھ دے۔ دیکھو! انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔(النحل:59-58)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کے سلسلے میں خصوصی طور پر احکامات وفضائل ارشاد فرمائے ہیں۔ آپ نے بیٹیوں کو والدین کے جنت میں داخلے کا سبب وذریعہ ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو، پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذا پہنچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے۔ اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے۔ تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔(رواہ احمد فی مسندہ والحاکم فی المستدرک) اسی طرح آپ نے دو بیٹیوں کی تربیت وپرورش کرنے والے شخص کو روز محشر اپنا ساتھی وہم نشین قرار دیا ہے۔(مسلم)

بعد از ولادت والدین کے فرائض میں ہے کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیں۔ نومولود کے کان میں اذان واقامت کہنے کی حکمت اہل علم نے یہ بتائی ہے کہ اس مبارک عمل سے جہاں بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ ہوگا وہاں اس کے کان میں جانے والی پہلی آواز اور اس کے قلب ودماغ تک پہنچنے والا پہلا پیغام حق تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا ہوگا۔ نیز اس عمل سے دنیا کی فنائیت اور بے ثباتی کا درس بھی نمایاں ہے۔ آج بچے کے کان میں اذان کہی جارہی ہے، کل بوقت موت اسے غسل دے کر جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جائے گا۔ گویا کہ اس کی کل زندگی اتنی ہی ہوگی جتنا کہ اذان ونماز کا درمیانی وقفہ۔ آتے ہوئے اذان ہوئی اور جاتے ہوئے نماز، اتنی سی دیر میں وہ آئے اور چلے گئے۔

ماں باپ کے فرائض میں سے ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد کسی نیک انسان سے تحنیک کروائیں، دعا کریں اور بچے کے لیے دعا کروائیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے، انہیں گھٹی

دلواتے اور برکت کی دعا بھی کرواتے۔

بچہ جب سات یوم کا ہو اس کا نام رکھا جائے۔ نام مقرر کرنے میں یہ امر ملحوظ رہے کہ نام بامعنیٰ اور حضرات انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، صلحائے امت اور علما و اولیاء جیسا ہو۔ اس لیے کہ نام کا شخصیت پر بہر حال اثر ہوتا ہے۔ کفار، منافقین، فساق و فجار، بے دین و بری شہرت کے حامل خواتین و حضرات کے نام رکھنا ناپسندیدہ ہے۔

اس سلسلے میں "پرویز" نام کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ نام ایران کے بادشاہ کا تھا۔ جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ چاق کیا تھا۔ آپ کی توہین و گستاخی کا مرتکب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف بددعا فرمائی اور یہ بددعا کا مصداق بن کر ہلاک بھی ہوا۔ لہذا ایسے نام سے اجتناب کیا جائے۔

ساتویں روز ہی بچے کے سر کے بال منڈوا کر اتنی مقدار چاندی کا صدقہ بھی مستحب امر ہے۔ اگر استطاعت ہو تو ساتویں روز نومولود کا عقیقہ بھی سنت ہے۔ بچی کی جانب سے ایک بکرا، یا بکری، جبکہ بچے کی جانب سے دو حصے مقرر کیے گئے ہیں۔ عقیقہ کی حکمت اظہار مسرّت ہے۔ اس مسرّت میں اقارب و متعلقین کی شرکت اور ایک لحاظ سے صدقہ و خیرات ہے، جس سے مصائب و بلاؤں کا مداوا ہوتا ہے۔

بچے کے حقوق میں سے ہے کہ اس کی پرورش، حضانت اور صحت کا خیال رکھا جائے۔ مائیں بچوں کو اپنا دودھ پلائیں۔ وقت پر غذا و خوراک کھلائیں۔ والد اخراجات و ضروریات کا انتظام کریں۔ ان کی صحت و آرام کا خوب خیال رکھیں۔

بچے جب بولنا شروع کریں تو اسے سب سے پہلے کلمہ طیبہ اور اذکار سکھلائیں۔ بچہ جب باشعور بن جائے تو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات انبیائے کرام، صحابہ و اہل بیت کا تذکرہ و تعارف رکھیں۔ اسلاف کے واقعات سنائیں۔ قرآنی قصص، سیرت اور تاریخ کے تربیت آموز واقعات سے بچوں کے قلب و جگر پر ایمانی نقوش ثبت کیے جا سکتے ہیں۔ بچوں کو جائز و ناجائز، حلال و حرام، سچ، جھوٹ کا فرق عملی طور پر بتانا ضروری ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ راستے میں گری پڑی کھجور اٹھا کر آپؓ نے منہ میں ڈال لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی آپ کے منہ میں ڈال کر کھجور نکال دی۔ اور کخ کخ کہہ کر تلقین فرمائی کہ اس کھجور کو منہ سے باہر نکال پھینکو اور ساتھ ہی فرمایا: "آل محمد صدقہ نہیں کھاتی۔"

جائز ناجائز، حلال و حرام وغیرہ کے سلسلے میں ترغیب و ترہیب کے انداز بھی اختیار کیے جائیں۔ جنت اور جنت کی آسائشوں، جہنم اور جہنم کی ہولناکیوں کا تذکرہ بھی بچوں کو راہ مستقیم پر لانے میں ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ بچہ جب سن تعلیم کو پہنچے تو اس کی دینی و دنیوی تعلیم کا بندوبست بھی بہت ضروری ہے۔ کم از کم ناظرہ قرآن کریم اور ضروری دینی تعلیم، نیز عصری ضروری تعلیم دلوانا بچے کا حق ہے۔ تعلیم کے لیے ایسے اساتذہ اور اداروں کا انتخاب بھی ضروری ہے جو دینی، اسلامی

تہذیب وتمدن کے لحاظ سے لائق اعتماد ہوں۔ملحد، زندیق، غیر مسلم اساتذہ یا ان کے ادارے بسا اوقات بچوں کو اپنے ڈھنگ میں ڈھال کران سے دینی حمیت واقدار سلب کر لیتے ہیں۔نظریہ وعقیدہ چھین لیتے ہیں۔ان کا ماحول بچوں کو بے راہ روی پر ڈال دیتا ہے۔ایسے ادارے یقیناً نسل نو کے لیے باعث نقصان ہیں۔

بچے جب سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا کہنا اور عملاً اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا اور جب دس سال کے ہوں تو نماز کا اہتمام کروانا بھی والدین کا اہم فرض ہے۔لڑکپن کی عمر والدین کے لیے نہایت ذمہ داری کی ہے۔اسی عمر میں بچے بنتے یا ضائع ہوتے ہیں۔اس لیے ان کے گردوپیش، ماحول، مصروفیات، حلقہ احباب، ان کے زیر مطالعہ لٹریچر پر نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔خصوصاً نیٹ اور کمپیوٹر کے استعمال کی صورت میں فلٹریشن اور نگرانی کی اشد ضرورت ہے۔بصورت دیگر کم عمر لڑکے بچپن میں ہی اپنا ایمانی وجسمانی سرمایہ کھو بیٹھتے ہیں۔اپنے اخلاق وکردار اور تعلیم کی بربادی سے اپنا مستقبل تباہ کر دیتے ہیں۔

بچیوں کے سلسلے میں والدین کی یہ ذمہ داری اور زیادہ ہے۔طالبات کا اکیلے آنا جانا، نامحرم ٹیوٹر سے خلوت میں پڑھنا، آزادانہ موبائل اور انٹرنیٹ کا استعمال گھر کو آگ لگانے کے مترادف ہے۔

والدین کے لیے اپنی اولاد کو ضرورت سے زیادہ پارسا سمجھنا نامناسب ہے۔ایسے ہی بلاوجہ شکوک وشبہات اور تجسس بھی اولاد کی بگاڑ کا سبب ہوتا ہے۔والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی اولاد سے بھرپور محبت کریں۔انہیں محبت وانس سے بلائیں۔اپنے ساتھ بٹھائیں۔انہیں وقت دیں۔ان کی کوتاہیوں کی صورت میں تنبیہ کے ساتھ درگزر بھی فرمائیں۔بچوں کو وجہ بلاوجہ مارنا، پیٹنا، گالم گلوچ کرنا، ان کے ساتھ بائیکاٹ اور ترک کلام کا معمول بنالینا درست نہیں۔یہ بچوں کو بغاوت پر اکساتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کے ساتھ طرز ورویہ لائق اتباع ہے۔ان کے بیٹوں نے اپنے والد کے ساتھ نہ صرف دھوکا کیا، غلط بیانی سے کام لیا، بلکہ ایذا وتکلیف کے مرتکب بھی ہوئے۔اس کے باوجود آپ نے نہ تو بیٹوں کو گھر سے نکالا اور نہ ہی بائیکاٹ کیا، بلکہ ہمیشہ اصلاح کی فکر فرمائی، نتیجتاً اولاد کی اصلاح ہوگئی۔

والدین کا فریضہ ہے کہ وہ بچوں کو مناسب عمر میں رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔فتنہ کے اس دور میں بہت دیر سے شادیاں معاشرتی بگاڑ کا ایک بڑا سبب ہے۔بچیوں کے سلسلے میں بھی یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جب ان کے لیے مناسب رشتہ کا انتظام ہوجائے اور عمر بھی مناسب ہو تو شادی کر دینی چاہیے۔

والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد میں ہمہ قسم مساوات وانصاف سے کام لیں۔اپنی اولاد میں سے کچھ کو نواز دینا اور کچھ کو محروم کر دینا حدیث میں اسے ظلم قرار دیا گیا ہے۔یقیناً یہ طرز بھی اولاد کی بگاڑ اور بغاوت کا سبب بنتا ہے۔

آخر میں والدین کو اس امر کی جانب متوجہ کرنا بھی ضروری ہے کہ جدید ٹیکنالوجی موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ کا استعمال باعث فتنہ ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس سے بچائیں۔حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اولاد کو نیک وصالح فرمائیں۔آمین!

احوال کائنات

مولانا ثمیر الدین قاسمی

خاندان سورج Solar System ہمارا سورج بھی اسی گیس اور کچرے کے مجموعے سے وجود میں آیا ہے، سورج کے گرد گھومنے والے نو سیارے: 1 عطارد 2Mercury زہرہ 3Venus زمین 4Earth مریخ Mars 5 مشتری 6Jupiter زحل 7Saturn یورینس 8Uranus نیپچون 9 Neptune پلوٹو Pluto بھی اسی مختلف قسم کے گیس، کچرے اور برف کے مجموعے سے تعمیر ہوئے ہیں۔

سورج میں 75 فیصد ہائیڈروجن اور 25 فیصد ہیلیم گیس ہے، سورج میں گیس کی مقدار زیادہ ہے اور وہ جلتی رہتی ہے اس لئے اس میں گرمی بہت زیادہ ہے اس کی اوپر کی سطح پر 5500 (پانچ ہزار پانچ سو) سینٹی گریڈ یا 9900 (نو ہزار نو سو) فارن ہیٹ گرمی ہے، گرمی کی وجہ سے اس میں زمین کی بنسبت 27 گنا زیادہ کشش ہے جس کی وجہ سے نو سیاروں اور تقریباً 61 چاند اور کروڑوں آوارہ گرد چٹانوں کو اپنے گرد بہت تیزی سے گھما رہا ہے۔

اور یہ سیارے سورج کے گرد محو گردش ہیں سورج زمین سے 000,330 (تین لاکھ تیس ہزار) گنا وزنی ہے گویا کہ پورے خاندان سورج کا 99 فیصد وزن تنہا سورج میں ہے، وہ اتنا بھاری ہے کہ 9 سیارے اور 61 چاند اور آوارہ گرد چٹانیں مل کر ایک فیصد ہے اور تنہا سورج 99 فیصد بھاری ہے، سورج زمین سے 000,00,13 (تیرہ لاکھ) گنا بڑا ہے، سوچئے کہ سورج تنہا کتنا بڑا ستارہ ہے، جو دست قدرت سے محو گردش ہیں۔

سورج کے گرد گھومنے والے نو سیاروں میں گیس کی مقدار کم ہے اور کچروں کی مقدار زیادہ ہے، قریب کے چار سیارے عطارد، زہرہ، زمین، اور مریخ میں کچرے زیادہ ہیں اور گیس کم ہے اور برف تو بہت کم ہے اس لئے یہ چاروں بہت ٹھوس ہیں اور قدرے گرم بھی ہیں، عطارد تو سورج کی قربت کی وجہ سے بہت ہی گرم ہے۔

دور کے پانچ سیارے، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹو میں کچرے زیادہ ہیں اور برف بھی کافی ہے جس کی وجہ سے پانچوں کافی ٹھنڈے ہیں اور ہمہ وقت ان پر برف جمی رہتی ہے، پلوٹو چونکہ سورج سے ساڑھے تین ارب میل دوری پر ہے، اس لئے وہاں تو خاص طور پر برف جمی رہتی ہے، یہ پانچوں سیارے سورج سے دوری کی وجہ سے بھی کافی ٹھنڈے ہیں اور ان پر کہرا پڑا رہتا ہے۔

فقہ وفتاوی

میڈیکل انشورنس کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند

''میڈیکل انشورنس'' کا ترجمہ ہے: طبی یقین دہانی، انشورنس کو ہندی میں ''بیمہ'' بھی کہتے ہیں تو ترجمہ ہوگا ''طبی بیمہ''۔ عام آدمی اور انشورنس کمپنی کے درمیان نامعلوم نقصان کے واقع ہونے پر ایک مقررہ رقم ادا کرنے کی وجہ سے نقصان کی تلافی کا معاہدہ ہوتا ہے، مقررہ رقم یک مشت یا قسطوں پر ادا کی جاتی ہے اس کو پریمیم کہتے ہیں۔ (اردو دائرۃ معارف اسلامیہ ۴/۴۵۶ لاہور)

سمندری سفر میں تجار آپس میں اس عنوان سے رقم جمع کرتے تھے کہ اگر کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس میں سے اس کے نقصان کی تلافی کی جائے گی، اس کی تاریخ ۱۵۴۷ء بتائی جاتی ہے۔ زندگی، املاک، اعضاء، قیمتی دستاویز، اسناد اور ذمہ داریوں کا انشورنس ہوتا ہے، یہاں طبی انشورنس سے متعلق گفتگو ہے۔

آج کل ایک طرف بیماریوں کی کثرت ہے دوسری طرف علاج مہنگے ہورہے ہیں، ہر آدمی کے لیے اخراجات کا تحمل ناقابل برداشت ہے۔ خصوصاً اعضائے رئیسہ کی بیماری اور کینسر وغیرہ میں اخراجات کا تحمل ناقابل بیان حد تک ہوتا ہے؛ اس لیے میڈیکل انشورنس کا رواج ہورہا ہے؛ مگر دنیا میں ''سرمایہ دارانہ نظام'' کا راج ہے، اقتصاد کی ہر صورت پر سود کی نوعیت کا بول بالا ہے، سوچنے والے سودی نقطۂ نظر سے ہی سوچتے ہیں۔ سودی شکلیں ہی سامنے آتی ہیں؛ چاہے اس میں بہ ظاہر تعاون کا پہلو بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انشورنس کی شکلوں میں شاید وباید ہی کوئی شکل ایسی ہوتی ہے، جس پر سود یا جوئے کا یا ان دونوں کا اطلاق نہ ہوتا ہو؛ میڈیکل انشورنس میں بھی یہی علت موجود ہے؛ اس لیے عام حالات میں میڈیکل انشورنس ناجائز ہے؛ اس لیے کہ اگر محدود مدت کے اندر بیماری پیش آئے تو سود کے ساتھ رقم ملتی ہے اور بیماری پیش نہ آئے تو جمع رقم واپس نہیں کی جاتی اور اس طرح اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے۔

میڈیکل انشورنس کا حل یہ نہیں ہے کہ رائج صورتوں میں حلال کی نشاندہی کی جائے، یا حیلوں کے ذریعے حرام کو اپنایا جائے؛ بلکہ اہل علم، زعمائے ملت اور اہلِ خیر حضرات کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور اس کی متبادل شکل تلاشنی چاہیے، ملی تنظیموں کے ذریعہ اس کا متبادل تیار کرنا مشکل نہیں، جنوبی ہند میں بعض غیر مسلم پیشواؤں نے مفت طبی ادارے قائم کر رکھے ہیں اور وہ بلا فرق مذاہب ہر ایک کا علاج مفت کرتے ہیں؛ جب کہ اُن کے مذہب میں آخرت کا تصور بالکل دھندلا اور سراب کی مانند ہے، پھر بھی وہ اپنے مذہب کے اہلِ ثروت سے تعاون حاصل کرکے بڑے اخراجات والے ادارے چلاتے ہیں۔

مسلمانوں کے یہاں آخرت کا تصور ہے، ان میں خرچ کرنے کا جذبہ ہے اور مجبور ولاچار کی امداد کرنے کا قابلِ فخر

حوصلہ ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا کوئی ایسا ادارہ ہو جو ضرورت مندوں کو بالکل مفت ان امراض کا علاج فراہم کرے اور مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانے کا انتظام کرے۔ آخر مذہبی ضرورت کی تکمیل کے لیے دینی مدارس بالکل مفت تعلیم فراہم کررہے ہیں یا نہیں؟ ملی تنظیمیں ملت کے لیے کثیر رقم خرچ کرکے اُن کے مفاد کے کام کررہی ہیں یا نہیں؟ اگر سوچا جائے تو انشورنس کا متبادل سامنے آسکتا ہے۔ کام مشکل ضرور ہے؛ مگر ناممکن نہیں۔

اگر ممکن ہو تو حکومتِ ہند سے یہ درخواست کرنے کے سلسلے میں بھی سوچا جائے کہ پریمیم کی رقم لیے بغیر حکومت عوام کا تعاون کرے، اس صورت میں اگر تعاون کی مقدار کم ہو تب بھی کوئی حرج نہیں، حلال کے دائرے میں بات رہے گی۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ نام زد مسلمانان اکٹھے ہوں اور طبی تعاون کے عنوان سے رقم اکٹھا کریں اور یہ طے ہو کہ جتنے لوگ جمع کررہے ہیں اُن کا علاج اسی جمع شدہ رقم سے کی جائے گی، چاہے رقم جتنی بھی خرچ ہو۔

میڈیکل انشورنس کی شرعی حیثیت: میڈیکل انشورنس میں چوں کہ سود اور جوا دونوں ہیں؛ اس لیے عام حالات میں اس سے استفادہ ناجائز ہے، اس میں جمع شدہ قسطوں سے زیادہ سے بھی انتفاع ہوتا ہے جو سود ہے اور مقررہ مدت میں بیمار نہ ہونے کی صورت میں رقم واپس نہیں ملتی؛ اس لیے جوا ہے اس میں تملیک علی الخطر کا پہلو غالب ہے۔ تعاون کا پہلو غیر سرکاری کمپنیوں میں بالکل نہیں ہے اور سرکاری میں کچھ ہے؛ مگر ابتدائی طور پر جمع شدہ پریمیم کی وجہ سے وہ بھی سود کے دائرے میں آتا ہے؛ اس لیے ناجائز تعاون ہے۔

قانونی مجبوری میں میڈیکل انشورنس: اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے میڈیکل انشورنس کرانا پڑ رہا ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ مگر بہ قدر مجبوری ہی۔ الاشباہ والنظائر میں قاعدہ ہے: "مَا أُبِيحَ لِلضَّرُوْرَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِها"۔ یعنی: جو چیز مجبوری کی وجہ سے جواز کے دائرے میں لائی جاتی ہے، وہ اسی مجبوری کی حد میں محدود مانی جاتی ہے۔ اور اگر شرط پائے جانے کی صورت میں انتفاع کی نوبت آئے تو وہ شخص جو مجبور ہے، اس کے لیے جمع شدہ رقم سے زیادہ سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے اور جو لوگ صاحبِ استطاعت ہیں اُن کے لیے جمع شدہ رقم سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں (فتاویٰ عثمانی ۳/ ۳۱۴) اور اگر استفادہ کرلیا تو اتنی رقم کا صدقہ کرنا بلانیتِ ثواب ضروری ہوگا۔

انشورنس کمپنی علاج کا خرچہ ہسپتال کو دے یا بیمار کو بعض مرتبہ بیماری پیش آنے پر علاج کا خرچہ "میڈیکل انشورنس کمپنی" بہ راہِ راست متعینہ ہسپتال کو دیتی ہے، انشورنس کرانے والے مریض کے ہاتھ میں نہیں دیتی، یہ صورت بھی جائز نہیں؛ اس لیے کہ ہسپتال کا قبضہ کرنا مریض کے قبضہ کرنے کے حکم میں ہے، گویا ہسپتال مریض کا وکیل ہے اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ کہلاتا ہے۔ اور اگر بہ راہِ راست مریض کو دیتی ہے تب بھی ناجائز ہے، یعنی اگر مریض صاحبِ استطاعت ہے تو اس اضافی رقم کو لینا جائز نہیں، صرف اتنی رقم لے سکتا ہے جو اس نے جمع کی ہے۔

اگر ملازم پر انشورنس کرانا لازم ہو: بعض ممالک میں ملازم کے لیے میڈیکل انشورنس لازم ہے؛ مگر پریمیم کی رقم

کبھی تو ملازم کی تنخواہ سے کٹتی ہے اور کبھی کمپنیاں اپنی طرف سے پریمیم جمع کرتی ہیں تو دونوں صورتوں کا حکم الگ ہوگا۔ یعنی اگر ملازم کی تنخواہ سے اس کی مرضی کے مطابق کٹتی ہے تو اس پر سود کی تعریف صادق آئے گی اور انتفاع ناجائز ہوگا اور کمپنی کے ادا کرنے کی صورت میں اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آئے گی؛ اس لیے ملازم کے لیے استفادہ جائز ہوگا۔

ہسپتالوں کا میڈیکل پیکیج: آج کل بعض ہسپتالوں کی طرف سے متعینہ مدت کے لیے میڈیکل پیکیج جاری کیے جاتے ہیں اور اس پیکیج کو قبول کرنے والے لوگ متعینہ رقم ادا کرتے ہیں، کبھی قسط وار کبھی یک مشت، اگر آدمی بیمار ہوا تو اس کے جملہ طبعی اخراجات ہسپتال برداشت کرتا ہے اور اگر بیمار نہیں ہوا تو وہ رقم ڈوب جاتی ہے، واپس نہیں ملتی۔ مذکورہ بالا صورت بھی سود اور جوے کی ہے؛ اس لیے ناجائز ہے۔

حکومت کی طرف سے غریبوں کے لیے میڈیکل انشورنس: آج کل حکومتیں غریبوں سے معمولی رقم لے کر اُن کا میڈیکل انشورنس کراتی ہیں اور اُن کو ایک کارڈ دیتی ہیں، جس کے ذریعے متعین ڈاکٹروں کے یہاں اور متعین اسپتالوں میں علاج کرانے کے حق دار وہ ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں عرض ہے کہ غریب اور فقیر کے لیے تو شریعت نے بہت سی گنجائشیں رکھی ہیں؛ اس لیے اس کے جواز میں شبہ نہیں؛ جب کہ علاج فقیر کے بس سے واقعی باہر ہو۔

طب وصحت

قدرت کا عظیم تحفہ: انار

ادارہ

انار دنیا میں دستیاب صحت کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند پھلوں میں سے ایک ہے، جسے جنت کا پھل بھی کہا جاتا ہے۔اس پھل میں اتنی بڑی تعداد میں نباتاتی مرکبات موجود ہوتے ہیں جو دیگر غذائی اشیا میں نہیں ہوتے۔تحقیقی رپورٹس میں ثابت ہوا کہ انار کھانے کی عادت جسم کے لیے متعدد فوائد کا باعث بنتی ہے جس سے مختلف امراض کا خطرہ کم ہوسکتا ہے۔آج کل انار عام دستیاب ہیں تو اس کے فوائد جان کر آپ بھی اس پھل کو آزمانے پر مجبور ہوجائیں گے۔

متعدد اہم غذائی اجزا سے بھرپور انار کے دانوں کے بھرے ایک کپ یا174 گرام سے جسم کو7 گرام فائبر،3 گرام پروٹین، وٹامن سی کی روزانہ درکار مقدار کا30 فیصد حصہ، وٹامن کے کی روزانہ درکار مقدار کا36 فیصد حصہ،فولیٹ کی روزانہ درکار مقدار کا16 فیصد حصہ اور پوٹاشیم کی روزانہ درکار مقدار کا12 فیصد حصہ ملتا ہے۔انار کے دانوں کے ایک کپ میں 24 گرام شکر اور 144 کیلوریز بھی ہوتی ہیں،مگر اس سے ہٹ کر بھی متعدد طاقتور نباتاتی مرکبات اس پھل کا حصہ ہیں۔

اس پھل میں 2 منفرد اجزا ایسے ہوتے ہیں جو اس کو صحت کے لیے بہت زیادہ مفید بناتے ہیں۔ان میں سے ایک Punicalagins نامی اینٹی آکسائیڈنٹ مرکب ہے جو اس پھل کے جوس اور چھلکوں میں پایا جاتا ہے۔یہ انار کے جوس میں اتنا زیادہ طاقتور ہوتا ہے کہ سبز چائے کے مقابلے میں 3 گنا زیادہ اینٹی آکسائیڈنٹ سرگرمیوں کو متحرک کرتا ہے۔اسی طرح انار کے بیجوں کے تیل میں موجود Punicic Acid اس پھل کا مرکزی فیٹی ایسڈ ہے جو حیاتیاتی اثرات کو متحرک کرتا ہے۔

دائمی ورم متعدد سنگین امراض کی جڑ ثابت ہوتا ہے جن میں امراض قلب، کینسر، ذیابیطس ٹائپ ٹو، الزائمر اور موٹاپا قابل ذکر ہیں۔انار کی ورم کش خصوصیات اس میں موجود punicalagins مرکب کی اینٹی آکسائیڈنٹ خصوصیات کی وجہ سے ہیں۔ٹیسٹ ٹیوب تحقیقی رپورٹس میں ثابت ہوا کہ انار سے غذائی نالی میں موجود ورم کی سرگرمی کم ہوسکتی ہے۔ذیابیطس کے مریضوں پر 12 ہفتوں کی ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ روزانہ 250 ملی لیٹر انار کا جوس پینے سے ورم کا باعث بننے والے عناصر میں 30 سے 32 فیصد کمی آتی ہے۔اگر جسمانی ورم میں کمی لانا چاہتے ہیں تو انار آپ کی غذا میں شاندار اضافہ ثابت ہوگا۔

مثانے کا کینسر مردوں کو لاحق ہونے والے کینسر کی عام قسم ہے۔لیبارٹری تحقیقی رپورٹس میں عندیہ ملا ہے کہ انار کا ایکسٹریکٹ کینسر کے خلیات کی افزائش کو سست کرسکتا ہے بلکہ ان کو ختم بھی کرسکتا ہے۔اس سے ہٹ کر انسانوں پر ہونے والی ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ روزانہ 237 ملی لیٹر انار کا جوس پینے سے مثانے کے کینسر سے متعلق اینٹی جن کے دگنا ہونے کا وقت 15 ماہ سے بڑھ کر 54 ماہ تک ہوجاتا ہے۔اگر بہت کم وقت میں اس اینٹی جن کی شرح دگنی ہوجائے تو مثانے

کے کینسر سے موت کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ایک فالواپ تحقیق میں بھی اسی طرح کے مثبت اثرات کو دریافت کیا گیا۔

بریسٹ کینسر خواتین میں بہت عام ہوتا جارہا ہے اور انار کا ایکسٹریکٹ بریسٹ کینسر خلیات کی ری پروڈکشن میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔مگر اس حوالے سے شواہد اب تک لیبارٹری تحقیقی رپورٹس تک محدود ہیں اور تصدیق کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔بلڈ پریشر بڑھنے سے ہارٹ اٹیک اور فالج کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ 150 ملی لیٹر انار کا جوس 2 ہفتے تک روزانہ پینے سے ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں میں بلڈ پریشر میں نمایاں کمی آئی۔دیگر تحقیقی رپورٹس میں بھی اسی طرح کے اثرات کو دریافت کیا گیا۔

جوڑوں کے امراض کی مختلف اقسام ہیں جن میں سے زیادہ تر جوڑوں میں ورم کا نتیجہ ہوتے ہیں۔انار میں موجود نباتاتی مرکبات ورم کش خصوصیات سے لیس ہوتے ہیں جو جوڑوں کے امراض کے علاج میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔لیبارٹری تحقیقی رپورٹس سے عندیہ ملتا ہے کہ انار کا ایکسٹریکٹ ایسے انزائمز بلاک کرسکتا ہے جو جوڑوں کے امراض کا سامنا کرنے والے افراد کو جوڑوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔مگر اس حوالے سے انسانوں میں تحقیق ابھی محدود ہے اور مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

امراض قلب دنیا میں قبل از وقت اموات کی سب سے بڑی وجہ ہیں۔انار میں موجود Punicic acid اس پھل کا بنیادی فیٹی ایسڈ ہے جو امراض قلب سے ممکنہ طور پر تحفظ فراہم کرسکتا ہے۔ہائی ٹرائی گلیسرائیڈ کے شکار 51 افراد پر ہونے والی ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ 800 ملی گرام انار کے بیجوں کے تیل کا روزانہ استعمال ٹرائی گلیسرائیڈ میں نمایاں کمی آتی ہے۔ٹرائی گلیسرائیڈ ہمارے خون میں موجود ایک قسم کی چربی ہوتی ہے جس کی مقدار بڑھنے سے امراض قلب کا خطرہ بھی بڑھتا ہے۔ذیابیطس ٹائپ ٹو کے مریضوں پر ہونے والی ایک اور تحقیق میں بتایا گیا کہ انار کا جوس پینے سے نقصان دہ کولیسٹرول کی سطح کم ہوجاتی ہے۔جانوروں اور انسانوں پر ہونے ولی تحقیقی رپورٹس میں دریافت ہوا کہ انار کے جوس سے نقصان دہ کولیسٹرول کے ذرات سے تحفظ ملتا ہے، یہ ذرات امراض قلب کا خطرہ بڑھاتے ہیں۔اسی طرح ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ انار کا جوس ہائی بلڈ پریشر کی سطح کم کرتا ہے جس سے بھی امراض قلب کا خطرہ کم ہوتا ہے۔

انار میں موجود نباتاتی مرکبات نقصان دہ جرثوموں سے لڑنے میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ پھل کچھ اقسام کے بیکٹریا کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔اینٹی بیکٹریل اور اینٹی فنگل کش خصوصیات سے بھی منہ کے ورم اور انفیکشنز سے تحفظ ملنے کا امکان ہوتا ہے۔

ایسے کچھ شواہد بھی سامنے آئے ہیں جن کے مطابق انار سے یادداشت بھی بہتر ہوتی ہے۔ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ 2 گرام انار کا ایکسٹریکٹ سرجری کے بعد یادداشت پر مرتب منفی اثرات کی روک تھام کرتے ہیں۔یادداشت کے مسائل کے شکار 28 معمر افراد پر ہونے والی ایک اور تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ روزانہ 237 ملی لیٹر انار کا جوس پینے سے یادداشت میں نمایاں بہتری آتی ہے۔

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

۱۰؍شوال المکرم ۱۴۴۶ھ سے جامعہ کے تعلیمی سال کا آغاز ہوا، جدید وقدیم داخلوں کی کارروائیاں انجام پائیں۔ پھر اسباق کی تقسیم، طلبہ کی رہائشوں کا بندوبست، ان کے کھانے کا اجراء، ان کی تربیت اور نگرانی کے لئے اساتذہ کی تعیین وغیرہ امور انجام پائے۔ اور الحمدللہ ۲۲؍شوال بروز پیر سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوگیا۔

جامعہ کے نیک دل مہتمم وبانی حضرت مولانا محمد عرفان صاحب ثاقب قاسمی دامت برکاتہم کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جامعہ کا تعلیمی نظام مضبوط ہو اور طلبہ کی تربیت پر اساتذہ کی خصوصی نظر رہے۔ ساتھ ہی ممکن حد تک طلبہ عزیز کو جو بھی سہولت پہنچائی جاسکے، اس کا انتظام ہو، تاکہ طلبہ کے تعلیمی اوقات کا حرج نہ ہو۔ حضرت مولانا ہی کی توجہات کا اثر ہے کہ جامعہ نے مختصر مدت میں تعلیم وتربیت کے حوالے سے جو نمایاں مقام حاصل کیا ہے اور طالبان علوم نبوت کا رجوع جس قدر بڑھا ہے، یہ مقبولیت کم ہی ادارے حاصل کر پاتے ہیں۔ الحمدللہ طلبہ کا رجوع ادارے کی طرف اس قدر ہے کہ جامعہ اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگتا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ جامعہ کا باقاعدہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے الحاق ہے اور وہیں کے نصاب کے مطابق چھ سالہ تعلیم کا انتظام ہے۔ ساتھ ہی عصری علوم کے لیے آٹھویں کلاس تک سرکار سے منظور شدہ اسکول بھی ہے، اور پرائمری ودینیات کے درجے اور حفظ وقرات کے شعبے بھی قائم ہیں۔

تعلیمی سال کے آغاز کی مناسبت سے جامعہ میں ایک اصلاحی وتربیتی پروگرام مجلس دعوت الحق کے چیئرمین حضرت مولانا عبدالستار سلام قاسمی دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ پروگرام کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ طلبہ قومی امانت ہوتے ہیں ان کی تعلیم وتربیت میں کمی کرنا قومی خیانت شمار ہوگا۔ دور حاضر میں طلبہ کو ان کی نفسیات کے موافق تعلیم دینا ناگزیر ہے۔ حضرت والا نے مزید فرمایا کہ طلبہ کو علم حاصل کرنے کے لیے اپنے اسلاف کے منہج کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ ہمارے اکابر نے سخت ترین حالات میں بھی تعلیم کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

مہمان خصوصی کی حیثیت سے جامعہ ولی اللہ پھلت کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا وصی سلمان ندوی نے بھی طلبہ عزیز کو نصیحت کی اور فرمایا کہ طلبہ کو بروقت مطالعہ کرتے ہوئے آموختہ پر دھیان دینا چاہیے، اساتذہ، مدرسہ اور آلات مدرسہ کا ہر حال میں احترام کرنا چاہیے۔ آپ نے کہا کہ جو طالب علم رضا الٰہی کی نیت سے اور اخلاص کے ساتھ ان چیزوں پر عمل کرے گا یقیناً وہ سو فیصد کامیاب ہوگا۔ اس موقعہ پر جامعہ کے روح رواں حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی نے بھی طلبہ عزیز کو نصیحت کی اور انھیں یکسوئی کے ساتھ حصول علم میں مشغول رہنے کی تاکید کی۔

جامعۃ السعادۃ کیرانہ کی مطبوعات

(۱)تفسیر پارہ عم

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۲)التوحید (دلائل توحید اور رد کفر وشرک پر مدلل ومفصل کتاب)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۳)مختصر لغات القرآن

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۴)طلاق کا اختیار عورت کو کیوں نہیں

تحریر: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب۔ ترتیب وتخریج: مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

(۵)اسلام کا نظام طلاق (نقل وعقل کی روشنی میں)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۶)موڈرن عورت

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۷)اسلام کا پیغام انسانیت کے نام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۸)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ اول)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۹)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ دوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۰)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ سوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۱)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ چہارم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

جامعۃ السعادۃ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774
رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

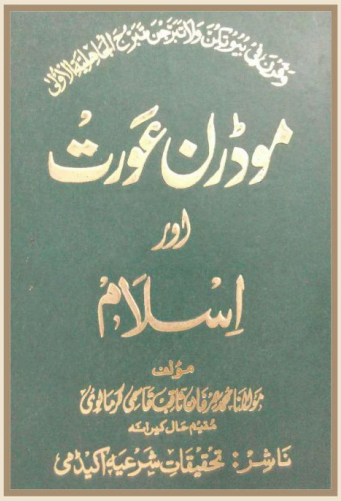

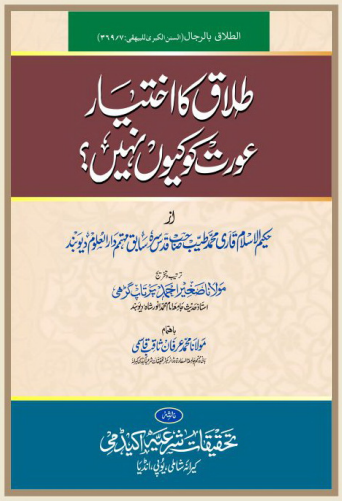

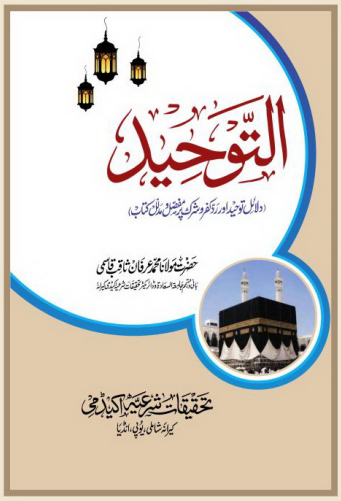

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768